بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز کے زیرِ عنوان ماہنامہ روحِ ترقی حیدرآباد کے رجب ۱۳۶۷ ہجری
کے شمارے کے افتتاحیہ سے اس کتاب کا آغاز ہوتا ہے
صفحہ ۲ سے ۵ تک (از م ح ا ب) کا مضمون "دنیا کی ایک مشہور شخصیت" جیسی
کے زیرِ عنوان بین الاقوامی شہرت کی حامل شخصیت ڈاکٹر حمید اللہ مدنی مدظلہ
کا مضمون روحِ ترقی حیدرآباد جلد ۱ شمارہ ۷ رجب المرجب ۱۳۶۷ ہجری
کے شمارے میں شائع ہوا جو اس مجموعہ میں شامل ہے
صفحہ ۶ سے ۱۴ تک جو مختصر مضمون نواب ملک بہادر خان کے زیرِ عنوان ہے وہ
مضمون مشہور علمی شخصیت مولانا مرتضیٰ صاحب ... کا ہے
حضرت اعظم اور ملا ... (۱۵، ۱۶) نواب قمر بہادر خان ... از
محمد عسکری کا علمی شذرہ (۱۶، ۲۱) ان دو مضامین کے بعد ...
دیرہ مفصل نواب صاحب بہادر یار جنگ کا ۲۷ ... ۱۹۸۰ ...
شمارہ ۵ (۲۲ سے ۲۵) تک شامل صفحات ہے۔
حادثہ کربلا کا تاریخی پس منظر اور فلسفہ حیات کے زیرِ عنوان
۲۹ سے ۳۵ تک نواب صاحب کے دو مضامین اس مجموعہ میں
شامل ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حرف آغاز

سلخ جمادی الثانی ۱۳۶۶ھ کو مولانا محمد مرتضیٰ مرحوم نے انتقال کیا اور یکم ماہ رجب ان کی تدفین ہوئی اس طرح ہر ماہ رجب میں ان کی یاد تازہ ہو جاتی ہے کہ ایک بے نفس فرد کس طرح اپنی ملت و ملک اور حکومت کی خدمت آزادی، جان فشانی اور صحیح طریقۂ عمل سے اپنی طالب علمی سے کرتا رہا۔ مرحوم کا قائم کردہ ادارہ ایجوکیشنل کانفرنس اب بھی محبان ملت و ملک کی کوششوں کا مرکز بنا ہوا ہے۔

مولانا محمد مرتضیٰ مرحوم نے ملک کے تعلیمی نقائص کو محسوس کیا تھا جو برطانوی ہند کی جامعات اور وہاں کے سررشتہ تعلیم کی محکومی اور تقلید کی بنا پر اس ملک کو برداشت کرنے ناگزیر تھے۔ ہمارا تعلیم ترقی تعلیم اعلیٰ تعلیم کے لئے تعاون، اپنی تعلیمی خود اختیاری، ملک کی آزاد جامعہ، امتزاج علوم مشرق و مغرب یہ مرحوم کے تخیلات تھے۔ جامعہ عثمانیہ میں اردو ذریعہ تعلیم کے ساتھ آغاز ہو چکا ہے اور اس کا دار الترجمہ نیز شعبہ جات دینیات قانون و سائنس نے تحقیق اعلیٰ ترین نتائج حاصل کر سکے ہیں بالخصوص شعبہ قانون و دینیات کے نتائج سارے ہندوستان بلکہ مشرق اور اسلامی دنیا میں اپنی آپ نظیر ہیں۔ یہ امید کرنی چاہئے کہ حالات زمانہ جامعہ عثمانیہ کو اور سررشتہ تعلیم کو زیادہ ترقی کرنے اور نقائص کو رفع کرنے کی طرف مائل کریں گے۔

مولانا محمد مرتضیٰ مرحوم کی تنقیدی سوانح زندگی بڑی حد تک مرتب ہو چکی ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ بعد تکمیل اسی سال اس کی اشاعت کے سامان فراہم ہو جائیں گے۔ مرحوم کے بلند پایہ مضامین اور تالیفات کے مجموعہ کو بھی اسی سال شائع کرنے کا خیال ہے اللہ تعالیٰ اس کی تکمیل کا ذریعہ پیدا کر دیگا۔ جو افراد ملک و ملت کا اصلاحی کام صداقت و خلوص کے ساتھ انجام دیتے ہیں ان کا کام زندہ جاوید ہو جاتا ہے بڑے بڑے علما و مصلحین قوم کی زندہ یادگار ان کے تصانیف ان کے کارنامے ہوتے ہیں چنانچہ حیدرآباد میں بھی نامور محبان ملک و ملت خاموشی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے رہے ہیں ان کی مساعی مشکور ان کی موت کا سبب ہوئی۔ اسی طرح مولانا محمد مرتضیٰ مرحوم اب ہم میں نہیں ہیں مگر ان کا مخلصانہ کام زندہ ہے۔ ماہنامہ روح ترقی جو مرحوم کی موزوں علمی یادگار کے طور پر شائع ہو رہا ہے علم دوست حلقوں میں مقبولیت حاصل کر رہا ہے۔ مرحوم کی سوانح زندگی اور ان کے تالیفات کی اشاعت سے بھی ان کی یاد کو ان شاء اللہ تازہ رکھنے اور نئی نسل کو ان کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کا ذریعہ مہیا ہو جائیگا۔

رجب ۱۳۶۳ھ میں قائد ملت نواب بہادر یار جنگ مرحوم کا انتقال ہوا تھا۔ مرحوم سے متعلق دو مضامین بھی روح ترقی میں درج کئے جا رہے ہیں تا مدت سے قریبی ربط رکھنے والے ایک فاضل مضمون نگار نے جو مشورہ دیا ہے اس کے مطابق مرحوم کے حالات اور تنقیدی سوانح حیات کی ترتیب بلند پایہ افراد سے تقسیم ابواب کے ساتھ پیش نظر ہے جو مجلد بطور خاص روح ترقی شائع کیا جائیگا۔

---

۲۹ شوال ۱۳۶۷ھ کو محمد بن محمد عبدالرحمن خان صاحب کی ۸۰ سالہ سالگرہ قمری حساب سے ہے گی جناب ممدوح ہمارے ملک میں فیض رساں عالم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تعلیم کی اشاعت میں جامعہ عثمانیہ کی کامیابی میں ان کا نام ناقابل فراموش ہے اس بلند پایہ فرد کے اعتراف خدمات کیلئے روح ترقی کا شمارہ خصوصی ۸۰ سالہ عمر کے لحاظ سے آئندہ ماہ شوال میں شائع کیا جائیگا امید ہے کہ ان کے احباب معترفین فضل و کمال اپنے تاثرات و مضامین سے روح ترقی کے شمارہ خصوصی کو زینت دیں گے۔

دکن کی ایک کثیر جہتی شخصیت

(۱)

از "م۔ ح۔ ا"

تمہید — دکن کے نامور قومی کارکن جن کی جوانامرگی ان کو شہاب ثاقب کا نام دلاتی ہے یعنی محمد بہادر خاں فرزند نواب نصیب یاور جنگ کے متعلق شائع کئے ایک خصوصی نمبر نکالا جائے اور اچھا ہو اگر منصوبہ بندی کے تحت مختلف پہلو مختلف خصوصی واقفیت رکھنے والے اہل قلم کے سپرد کئے جائیں۔ خود مرحوم کی پوری پبلک زندگی تنظیم و تقسیم کار میں گزری۔ منصوبہ بندی کے بغیر کئی اشخاص باہم لاعلمی کے باعث ایک ہی چیز پر قلم اٹھاتے ہیں اور چند چیزوں پر کوئی بھی قلم نہیں اٹھاتا اور خصوصی نمبر بھی کتب خانوں میں دائمی جگہ پانے کی جگہ ایک معمولی چند ساعتی دلچسپی سے زیادہ کسی اہمیت کا حامل نہیں ہوتا۔

خطاب و جاگیر — نواب محمد بہادر خاں مرور حاضر کے دلچسپ خطابات سرکاری میں سے "نواب بہادر یار جنگ" سے سرفراز ہوئے تھے۔ برطانوی ہند میں "نواب بہادر" ایک خطاب تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مرحوم کو بکثرت خطوط "نواب یار جنگ" سے مخاطب کر کے آتے اور انگریزی ڈاک خانے کی مہربانی سے کبھی کبھی وصول بھی ہو جاتے رہے۔

آدمی اور شہرت کی مثال شاعر ملت اقبال نے خوب سبق آموز دی ہے کہ شہرت سایہ ہے اس کی طلب میں دوڑو تو بھاگتا ہے اور کبھی ہاتھ نہیں آتا اور اس سے منہ موڑ کر چلو تو غلام اور وفادار کتے کی طرح پیچھے پیچھے آتا ہے بلکہ نصف النہار کے بعد تو شہرت آدمی سے بھی آگے پہونچ جاتی ہے۔

نواب مرحوم جادو بیان مقرر تھے کم عمری ہی سے اس کی عادت ڈالی تھی۔ آصف سابع نے میلاد النبی کی محفلوں کی جو سرپرستی فرمائی اور اس کو مفید عام بنایا ہے اسی کے تحت مرحوم کو بھی اکثر سیرت نبویہ کے مختلف پہلوؤں پر داد تقریر دینے کا موقع ملا اور ایسے ہی ایک موقع پر جس میں ذات شاہانہ نے بھی شرکت فرمائی تھی، وہ اثر دکھایا کہ بلا طلب و کوشش کسی بادشاہت کا سب سے بڑا دنیوی امتیاز یعنی "بہادر یار جنگ" کا خطاب ملا۔ ظاہر ہے کہ وہ ابتداً اس پر بہت خوش ہوئے لیکن جیسے جیسے ذہن پختہ اور خیالات بلند ہوتے گئے اور دنیائے فانی کی حقیقت فکر و عمل پر موثر ہوتی گئی تو انھیں رفتہ رفتہ اعلیٰ ترین "دنیوی" اعزازات بھی ہیچ معلوم ہونے لگے بالآخر انھوں نے ادب کے ساتھ یہ خطاب واپس کر دیا لیکن یہ وقت شہرت کے نصف النہار کے بعد کا تھا جب کہ سایہ آگے آگے چلتا اور ہر لمحہ طویل تر ہی ہوتا جاتا ہے۔

خطاب کی طرح نواب مرحوم نے اپنی آبائی جاگیر بھی واپس کر دی جو فطرتاً ترک دنیا کی طالب تھی۔ اپنی سیاسی زندگی کے تقریباً آغاز ہی میں انھوں نے محسوس کر لیا تھا کہ وطن کی آزادی کی منزل مقصود میں انگریز تو خیر ان سے بھی بدتر ہو گی اور ملک کے مندرجہ ذیل پانچ سرکاری طبقوں میں سے آخر الذکر تین سے بھی نقصان اٹھانا پڑیگا۔

(۱) حقیقی وفادار و بہی خواہ (۲) مرنجاں مرنج و بے ضرر (۳) غدار (۴) بزدل (۵) احمق۔

دیسی

اسی لئے انھوں نے دوگونہ پالیسی بنائی ایک تو خانگی زندگی میں کفایت شعاری اور مصارف میں تخفیف۔ چنانچہ ٹوپی کی جگہ وہ دیسی گرمیوں کے کپڑے کی شیروانی پہننے لگے۔ دوسری طرف اس کفایت سے جو رقم پس انداز ہو اسے نفع آور کام مثلاً جائداد غیر منقولہ وغیرہ میں لگانا۔ چنانچہ اس چند سال کی کوشش کے بعد وہ اس قابل ہو گئے کہ ان کے "امیر گھر کے جو" تقریباً ماہانہ مصارف تھے (اور جو یقیناً ہزار ڈیڑھ ہزار ماہانہ سے کم نہ ہوں گے) خالص خانگی آمدنی سے پورے کر لیں اور جاگیر کی آمدنی سے ایک پیسہ بھی لینے کی ضرورت نہ رہے۔

اس نقطے پر پہونچنے کے بعد ان کی "بہادری" بے پایاں ہو گئی۔ طور خود لنگ کوٹھی سے باتراں کی بہادری کے امتحان کے لئے پاگور سے دیا گوں

(۱) نوٹ: ح م حمید اللہ ... مشہور عالم شخصیت ...

مجبوراً انہیں بندی کے لئے جو سخت خطوط بھی آئے تو یہاں سے جواب سخت تر قسم ہی کے جاتے تھے خطاب و جاگیر کی واپسی اسی کا نتیجہ ہے۔

اگر بہادر خاں سب کچھ ہوتے لیکن مسلمان نہ ہوتے تو مسلمانوں کے کس کام کے تھے۔

غیر عصبیت وہ مہدوی خاندان میں پیدا ہوئے تھے اور بچپن سے مذہبی ماحول میں رہنے سے شدید اور کٹر مذہبیت ان میں پیدا ہو گئی تھی لیکن ہر چیز میں غلو کی طرح مذہبی غلو بھی اچھا نہیں ہوتا آدمی مذہبی رہے لیکن مذہب پرست نہ بنے۔

حالات نے انہیں جھنجھوڑ کر یہ سکھا دیا۔ ایک مرتبہ وہ مدراس گئے۔ میلاد مبارک کی تقریب تھی ساحل سمندر پر بیس پچیس ہزار کا مجمع ان کی خطابت سے مسحور بلکہ مستفید ہو گیا تھا اتنے میں مغرب کی اذان ہوئی بیس ہزار کی اتنی بڑی جماعت ایک طرف اور ابھی چند منٹ پہلے اسلام کے اتحاد و مساوات کے بڑے بڑے دعوے کرنے والا "ناصح بے عمل" اپنے ایک یا دو مہدوی رفیقوں کے ساتھ الگ اور ننھی منی جماعت نا تفریق میں دوسری طرف!

یہ واقعہ حساس دماغ پر ناقابل برداشت تھا اور وہ سوچنے لگے کہ کیا واقعی مہدوی مسلمان کو غیر مہدوی کے پیچھے یا ساتھ بھی نماز باجماعت میں شرکت ناجائز ہے؟ معاملہ مذہب جیسی نازک چیز کا تھا لیکن بالآخر انہوں نے "اجتہاد" کیا (اگر اسے اجتہاد کہا جا سکے) اور فیصلہ کیا کہ مہدوی جو فقہ میں امام ابو حنیفہ کے پیرو ہیں اپنے سوا باقی اہل قبلہ کو غیر مسلم سمجھنے کا حق نہیں رکھتے۔ چنانچہ اب انہیں کی وجہ سے حیدرآباد میں کثرت سے مہدوی سنیوں کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ جزاہ اللہ خیرا۔

ان کے اس عمل سے کچھ پہلے ایک اور خطرناک واقعہ بھی پیش آیا تھا جیسا کہ بیان کیا گیا۔ کٹر مہدویوں کے نزدیک غیر مہدوی کلمہ گو مسلمان نہیں سمجھے جاتے تھے نواب مرحوم کی بڑھتی ہوئی شہرت اور بارگاہ آصفی میں روز افزوں رسوخ پر کسی سازشی درباری نے ایک دن سرکار سے عرض کر دیا کہ بہادر خاں سے پوچھیں کہ وہ خود سرکار کو بھی مسلمان سمجھتے ہیں یا نہیں؟ مہدویوں کے ہاں تقیہ ہوتا تو دشواری نہ تھی۔ اعلیٰحضرت کے سوال پر کہ "تم مجھے کیا سمجھتے ہو مسلمان یا کافر" اگر سچ کہیں یعنی اپنے فرقے کے کٹر لوگوں کی رائے ظاہر کریں تو سر کی خیر نہیں اور اگر جھوٹ بولیں تو ایمان کی خیر نہیں۔

ابھی وہ کٹر خیال ہی کے حامی تھے لیکن اہل علم بزرگوں کی صحبت اور اس سے زیادہ ان کی نیک نفسی سے قدرت آڑے آئی۔ انہوں نے کہا سرکار کفر "دون کفر"۔ ایک شخص خدا کو نہیں مانتا اور دوسرا خدا کو مانتا تو ہے لیکن مشرک ہے دونوں کافر ہیں لیکن آخر الذکر کا کفر کمتر ہے۔ ایک مشرک ہے دوسرا موحد تھا لیکن پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتا۔ دونوں کافر ہیں لیکن آخر الذکر کا کفر کمتر ہے۔ ایک موحد ہے اور دوسرا رسول کریم کو آخری نبی تو مانتا ہے البتہ اسلام کی کسی بنیادی چیز مثلاً زکوٰۃ کی فرضیت سے انکار کرتا ہے دونوں کافر ہیں لیکن آخر الذکر کا کفر کمتر ہے۔ ایک منکر زکوٰۃ ہے "مسلمان" ہے اور دوسرا زکوٰۃ تو دیتا ہے لیکن سب صحابہ کرتا ہے دونوں کافر ہوں گے لیکن آخر الذکر کا کفر کمتر ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ بدرجہ آخر وہ شخص جو اسلام کی ہر چیز میں متفق ہیں اور مہدی موعود کے متعلق بھی ہم رائے ہیں صرف اس میں اختلاف ہے کہ "الف ہی مہدی موعود ہیں یا ب" یہاں بھی کفر "دون الکفر" صادق آتا ہے۔ مگر یہ ایک نہایت غیر اہم مسئلہ ہے۔

کہتے ہیں کہ سرکار مسکرائے اور ہنسی خوشی عزت کے ساتھ رخصت کیا۔

لچک اور فوری فیصلے سیاسیات سے زیادہ کسی اور شعبہ حیات میں فوری فیصلوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ذاتی رائے نہ رکھنا اور جو شخص آکر جیسا سمجھائے موم کی ناک کی طرح اس کا حامی بن جانا الگ چیز ہے (اور بہادر یار جنگ میں یہ بات نہ تھی وہ اپنی مستقل ذاتی رائے رکھتے تھے) اور انسانی رائے کو ہمیشہ قابل اصلاح سمجھ کر حق پسندی اور لچک رکھنا دوسری بات ہے یہ بات مرحوم میں بدرجہ اتم دیکھی۔ ان میں انکسار بھی تھا۔ اپنے قصور کو [illegible] اعتراف بھی کر لیتے تھے اور بہادری [illegible] عالم تھا کہ بڑی سے بڑی ذمہ داری اپنے سر لینے میں نہیں گھبراتے تھے۔

ایک چھوٹے سے گروہ [illegible] کا ذکر کیا جا سکتا ہے جو دستوری تبدیلیوں کے لئے انجمن کی کمیٹی بیٹھی ہوئی ہے۔ اور ارادوں کی طرح

اتحاد المسلمین نے بھی اپنی یادداشت بھیجی جا چکی تھی۔ یہ چھبیس صفحوں کی کافی طویل تحریر تھی جس کے دو حصے تھے۔ پہلے میں اصلاحات کے بنیادی اصول اور ضروریات بیان کئے گئے تھے اور دوسرے میں معین حصہ نشستوں اور حلقہ ہائے انتخابات وغیرہ کے متعلق تھی۔ ظاہر ہے کہ دنوں اور ہفتوں کی مشاورت کے بعد یہ یادداشت مرتب اور مجلس عاملہ کی منظوری کے بعد بھیجی جا رہی تھی۔ معتمد مجلس اتحاد المسلمین اس کو خود لے کر معتمد کمیٹی اصلاحات کے دولت کدے کو گئے تھے اور غالباً صاحب خانہ کے ناشتے فراغت وغیرہ کا انتظار کر رہے تھے (ایسے بھی زمانے تھے!) اور ہمدرد افراد نے جو اتحاد المسلمین میں نہ تھے اطلاع پر سویرے نواب مرحوم سے ملاقات کی بمشکل سے دو تین منٹ گفتگو رہی۔ پھر دونوں تیزی سے معتمد کمیٹی اصلاحات کے مکان پر پہونچے۔ ابھی وہ برآمد نہیں ہوئے تھے۔ معتمد اتحاد المسلمین کو نواب مرحوم کی طرف سے ایک زبانی پیام پہونچایا۔ اتحاد المسلمین کی یادداشت کے نصف ثانی کو الگ کر لیا اور نصف اول کے آخر میں معتمد سے کہا کہ اپنے دستخط کر کے داخل کر دیں اور موصوف کو حیران و پریشان چھوڑ کر یادداشت کا نصف ثانی اپنے ساتھ لے کر چلے گئے۔

بہادر یار جنگ سے صرف یہ کہا گیا تھا کہ حکومت کچھ تبدیلیاں کرنے پر تلی ہوئی ہے اپنی آزادی کو کیوں محدود کریں حکومت کے تجاویز پر جب موقع رائے قائم کر سکتے ہیں۔ ابھی نئے یادداشت کا اصل حصہ دوم آخر واپس لے لیا گیا۔ اور مجلس عاملہ کی غالباً بعد میں توثیق کرالی گئی۔

تلمیذ فطرت

نواب مرحوم بہت ذہین ذکی اور عمدہ حافظے کے مالک تھے معلوم نہیں ریاضی تھی یا کونسا مضمون جس کے باعث وہ فوقانیہ دارالعلوم سے نکل نہ سکے پھر والد کی وفات اور خانگی مشاغل نے بھی امتحانی تعلیم کا موقع نہ دیا۔ ......

...... لیکن مطالعے کا بڑا شوق تھا اور اسی مطالعے نے رسمی تعلیم کی کمی کی تلافی کر دی تھی۔ پھر حریفوں سے گفت و شنید کے موقعے آنے لگے تو آدمی چونکہ ہشیار تھے اپنی ناواقفیت کا نہ صرف یہ کہ اظہار نہ ہونے دیتے بلکہ حریفوں سے پورا ما علیہ معلوم کر کے ما لہٗ اپنے ذہن سے تیار کر لیتے تھے۔ چنانچہ دستوریات وغیرہ کے ادق مسائل پر ابتداً گو وہ حقیقت میں بالکل کورے تھے لیکن فرقہ واری سیاسی سمجھوتوں کی محفلوں نے چند ہی دنوں میں ان میں اور کہنہ مشق نظریات دانوں میں معلومات کی حد تک کوئی فرق نہ رکھا۔

انگریزی دور میں کشمیر کی جو دستوری حیثیت مسلمہ تھی اس کے خلاف انہوں نے ایک ذہانت آمیز نکتہ پیدا کیا اور ایک مرتبہ سر شاہ سلیمان جیسی شخصیت سے (جو فیڈرل کورٹ کے نامور جج تھے) اس پر بحث ہی نہیں حجت کی۔ شاہ سلیمان مرحوم کو آخر میں یہ کہنا پڑا کہ "نواب آپ کا استدلال اچھوتا اور عجیب ہے۔ فی الوقت میں آپ کا ہمنوا ہو گیا ہوں لیکن مزید غور کر کے آپ کو اطلاع دوں گا" ___ گویا آں قدح شکست و آں ساقی نماند۔

اسی ذہانت سے وہ مختلف زبانیں بھی خوب سیکھ گئے تھے۔ اردو، فارسی، عربی، انگریزی اور غالباً پشتو بھی کافی بول لیتے تھے اور عالم اسلامی کے ایک طویل سفر نے بھی ان میں کافی وسعت نظر پیدا کر دی تھی۔

خوش نصیب گھریلو زندگی

وہ اپنی بیوی کے گرویدہ و مداح ہی نہیں عاشق تھے۔ بیشک نواب زادی اور اس پر بھی نازک صحت۔ اس کے باوجود شوہر سے جو سلوک تھا وہ سن کر افسانہ معلوم ہوتا تھا۔ عام مزاج دانی و مزاج داری ایک نواب کی بیوی بھی کرے گی لیکن یہ کیا جذبہ تھا جس نے ایک مرتبہ جذبات محبت کے عالم میں اپنے شوہر سے اپنی ایک خواہش منظور کروائی جو یہ تھی کہ تمہیں باہر جاتے وقت جوتے میں پہنایا کروں گی! ایسی بیوی کے بھی اگر وہ عاشق نہ ہوتے تو پھر کس کے ہو سکتے۔ سلیقہ شعار بیوی نے انہیں گھر سے بے فکر کر دیا تھا۔ وہ اپنے شوہر کی خادم، مصاحب اور وہ سب کچھ تھیں جس کا ہونا شوہر کو دنیا ہی میں جنت کا آدھا مزہ دیدیتا ہے۔

قومی معاشیات

اپنی زندگی کے آخری زمانے میں نواب مرحوم اس نتیجے پر پہونچ گئے تھے کہ جدید دنیا میں اور آزادیوں کی طرح قومی معاشیات کی آزادی کو بھی منضبط بنیادوں کے بدلنے کی ضرورت ہے اور کمیونسٹ اور سوشلسٹ تحریکوں سے بھی ان کو معقول و مفید اور قابل عمل حصہ ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ اسلام اس کو کس حد تک اجازت دیتا ہے بسلسلہ ازیں میاں صدیوں سے رواج اور روایت جو قبول رہی ہو اگر ان مذکورہ سلسلے کی اسلام میں اجازت بھی ملتی ہو تو اس سے استفادہ کیا جائے۔ چونکہ یہ کام فنی بھی تھا (سلسلہ صفحہ ۱۴ میں)

ن کی کثیر جہتی شخصیت

(سلسلہ از صفحہ ۵)

اور کثیر جہتی اسی لئے انھوں نے اساتذہ دینیات، اساتذہ معاشیات اور اسلامیات کی مشرقی و مغربی دونوں قسم کی تعلیم کے جامع افراد کو خاص طور پر جمع کیا۔ اس کمیٹی میں کامریڈ بھی تھے ملا بھی تھے۔ ڈاکٹر بھی تھے لیکن سب کے سب وطن دوست اور جویائے حق تھے۔ کبھی لڑتے بحث سے، اجلاس کئے کام میں کافی ترقی ہوئی بنیادی مسائل متعین ہو کر سوال نامہ تیار ہوا اور سوال نامہ کی شرح بھی مرتب ہونے لگی تاکہ اس کا صحیح مفہوم سمجھ کر فقیہہ اس پر رائے دے سکیں۔ ان کی اچانک وفات سے پہلے جو آخری کام ہوا تھا وہ غالباً یہ تھا روسی مسلمانوں کے لیڈروں کو خطوط لکھے گئے تھے کہ آیا انھوں نے کمیونزم کے جواز کے لئے کوئی دینی تحقیق بھی کی ہے —— یہ کام ظاہر ہے کہ جاری رکھنے کا ہے اور اس میں معاشیات کے ساتھ سائنس کو بھی شامل کرنے کی ضرورت ہے کہ اسلام کس حد تک آئنسٹائن وغیرہ کے وقتی نظریات کو قبول کر سکتا ہے جس کے سمجھنے والے بھی کہتے ہیں کہ دنیا میں بارہ سے زائد نہیں ہیں اور روس اور امریکہ کی سیاسی کشمکش کی طرح تمدنی کشمکش میں بھی خیر الامور اوسطہا کے لئے جو عظیم مستقبل کھلا ہوا ہے اس پر ہر صاحب فکر کو توجہ کی ضرورت ہے۔

نوٹ۔ متذکرہ نوٹ جو مضمون کا آخری حصہ ہے صفحہ ۱۴ سے نقل کیا گیا جو صفحہ نمبر ۵ پر ادھورا تھا۔ اور جو مضمون کا تسلسل صفحہ ۱۴ پر اختتام پذیر تھا۔

روح ترقی، جلد ۱ شمارہ ۵ (۷)

رجب المرجب ۱۳۶۷ ہجری م امرداد ۱۳۵۷ ف

پتہ: روح ترقی کوچہ دادا صاحب، نظام شاہی روڈ
حیدرآباد دکن

مرتبہ ابراہیم

قائد ملت بہادر خاں مرحوم

"مدیر روح ترقی کا قلمی مسودہ جو قائد ملت کی رحلت کے بعد تحریر ہوا تھا اور اب نظر ثانی کے بعد شائع کیا جاتا ہے"

عظیم ترین قومی و ملکی قائد کی ہم سے دائمی جدائی یعنی بہادر خاں صاحب مرحوم بہادر یار جنگ کا واقعہ ہائلہ بے ثباتی دنیا کی ایک نمایاں مثال ہے علیٰ الخصوص ایسے وقت میں جبکہ حیدرآباد میں ملت اسلامیہ کو ایک زبردست شخصیت والے قائد کی ضرورت تھی بہادر خاں صاحب کا سفر منزل عدم ناقابل تلافی صدمہ ہے اور "رضینا بقضاء اللہ و صبرنا علی بلائہ" کے سوا کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

پٹھانوں عربوں کا تعلق حیدرآباد

بہمنی دور سے پٹھان اور عرب ملک دکن میں آباد ہوئے ہیں۔ بہادر یار جنگ کے مورث اعلیٰ حضرت آصف جاہ رابع غفران منزل کے عہد میں سرکار عالی سے متوسل ہوئے۔ جو یا ہی کاس برادر ان افغان میں تھے پٹھانوں کا عام پیشہ ہندوستان میں سپاہیانہ زندگی رہا۔ عام طریقہ یہ تھا کہ ہر سردار جانباز سرکف پٹھانوں کا جتھہ جمع کرتا جو والی ملک ان کو ملازم رکھنا چاہتا اس کا توسل اختیار کرتے اور ہر قسم کی جان نثاری پر آمادہ رہتے۔ انتہائی مارشل اسپرٹ ان میں ہوتی تھی سپاہی پیشہ ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ نہ کچھ تجارت میں بھی دخل رہتا تھا۔ ہندوستان میں عرصہ تک پٹھانوں کی حکومت تھی۔ حکومت عیش و دنیا طلبی میں مبتلا کردیتی ہے۔ کمزوریوں کی وجہ لودھی پٹھانوں کو مغلوں کے لئے حکومت کی مسند خالی کرنی پڑی مگر ان کی انفرادی مارشل اسپرٹ باقی رہی اس لئے پھر تنظیم پیدا کرکے پٹھان حکومت شیر شاہ نے قائم کردی۔ شیر شاہ اور ان کے فرزند کے بعد ہمایوں نے ایرانیوں کی مدد سے سلطنت مغلیہ استحکام سے قائم کرلی اور پٹھانوں کی اجتماعی تنظیم باقی نہ رہی۔ انھوں نے بنگال و دکن کی مسلم حکومتوں میں سپاہیانہ زندگی اور ملازمت جاری رکھی اور جو نوکر رکھے ان کی خدمت و جاں نثاری ان کا شعار رہا۔

مغلیہ سلطنت کے انحطاط کے وقت الٰہ آباد، روہیل کھنڈ، بھوپال وغیرہ نیز دکن میں کرنول کڑپہ میں اپنی ریاستوں کے قائم کرنے کیلئے انھوں نے ہاتھ پاؤں مارے مگر کوئی بڑی حکومت قائم نہ کرسکے۔ مرہٹہ ریاستوں اور میسوری حکومت اور حیدرآباد کی حکومت نے پٹھانوں کو فوجی ملازمتیں دیں۔ جب حکومت میسور کا خاتمہ اور مرہٹہ ریاستوں کا انحطاط ہوگیا تو حضرت آصفجاہ دوم، سوم، چہارم نے اپنی خاموش پالیسی رکھی کہ آصفی سلطنت میں عربوں اور پٹھانوں کی فوجی قوت مستحکم رکھی جائے۔ عرب اور پٹھان سردار اور جمعدار سے موسوم ہوتے ہیں وہ اپنے جتھہ کے ساتھ مرہٹوں یا دوسرے کسی ریاست کے تعلق ختم ہونے سے حیدرآباد آتے ان کو علیٰ قدر مراتب ملازمت میں لے لیا جاتا۔ یہی قوت تھی جس کے باعث انگریزوں کو شمالی سرکار، بنگال، کرناٹک اور مہاراشٹرا، مملکت آصفیہ کو انگریزی عملداری کا مکمل شامل کرنے میں خوف مقابلہ رہتا تھا اور اسی پر قناعت کرلی گئی کہ سواحل کا علاقہ حیدرآباد سے لے لیا جائے اور تنگبھدرا ندی حد فاصل سرحد سرکار رہنے دی جائے۔

بہادر یار جنگ کے پر دادا بہادر خاں کے ہی نام سے موسوم تھے اور ان کے بڑے اور چھوٹے بھائی نصیب خاں اور مانور خاں مہاراجہ چندولال کی وساطت سے ملازم سرکار آصفی ہوئے، بڑے بھائی نصیب خاں اصل صاحب اور دوسرے صاحب خطاب عماری و نوبت اعزازات و جاگیر ہوئے۔

اس زمانہ میں پٹھان جمعدار سودی قرضہ کا اور تجارت کا کاروبار کرتے اور ایسا تمول ان کو حاصل ہوگیا تھا کہ خود سرکار عالی کو بعض پٹھان

عہدہ داروں نے قرضہ دے کر جاگیریں بھی بطور رہن اور اجارہ حاصل کر لی تھیں اور کافی قوت حاصل تھی۔ فوج کے سامنے کام نہ ہو تو عیش و نشاط یاد آجاتا ہے۔ حیدرآباد میں بعض مسلمان اور بقیہ افراد نے پیج اقوام کی عورتوں سے تعلقات اور رنڈی بازی، نیز جاہلانہ مشاغل مرغ بازی، پتنگ بازی وغیرہ اختیار کرلی تھی۔ بعد میں حکومت سرکار عالی نے انگریزوں کے اصرار پر اپنی توجہ جمعیت گھٹانی شروع کردی۔ اس کا اثر پٹھانوں، عربوں پر اچھا نہ ہوا۔ بیکاری نامناسب مشاغل پیدا کرنے کا باعث ہوئی اور عربوں اور پٹھانوں کی گزشتہ عظمت و عزت حیدرآباد میں ختم ہوگئی۔ تاہم اچھے عرب اور پٹھان ہمیشہ موجود رہے اور ہیں۔ پٹھانوں، عربوں دونوں میں فوجی قوت کے اثرات ہنوز موجود ہیں اور وقت پر مار نے مرنے کا جوش بھی نظر آجاتا ہے۔

بہادر یار جنگ کے بزرگوں کا توطن حیدرآباد

بہادر خاں صاحب مرحوم کے خاندان کے حیدرآباد میں سرپرست نصیب خاں، نعمت یار جنگ تھے۔ اور کافی تمول رکھتے تھے۔ بیگم بازار میں عالیشان ڈیوڑھی بنائی۔ جاگیر، فوجی ملازمت اور جائداد و کاروبار سب موجود تھے۔ لاولد تھے۔ اس لئے ان کے بھتیجے و برادر زادہ دولت خاں صاحب چچا کے جانشین ہوئے اور موروثی خطاب حاصل۔ خدمت۔ لوازم اعزازی سب ان کو ملا۔ راقم نے اپنی نوعمری میں نصیب یار جنگ ثانی کو دیکھا ہے ان کے متعلق مختلف قصے مشہور تھے بیگم بازار کے پٹھانوں میں ان کا تمول مشہور تھا۔ شکل و صورت نگاہوں میں نہیں جمتی تھی۔ اپنے ذاتی مصارف کے متعلق کفایت شعار تھے اور اکثر لینڈو دو اسپہ گاڑی میں ان کی سواری نظر آتی تھی وہ اپنے ساتھ دو ایک مصاحب کو ساتھ لیکر نکلا کرتے تھے۔ ان کے فرزند نصیب خاں تھے ان کی تعلیم کچھ مختصر ہی ہوئی تھی۔ باپ کے مقابل اونچے پورے تھے باپ اپنے فرزند کو آسائش و آرام سے رکھتے تھے اور ناز و نعم سے پالتے تھے۔ نصیب خاں صاحب کی شادی بڑی شان اور دھوم سے ہوئی تھی اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ حیدرآباد کے متمول طبقہ میں طلائی رسم و رواج اور طمطراق سے شادیوں کا جو رواج تھا اس کے سلسلہ میں بہادر خاں صاحب بہادر یار جنگ کے والد کی شادی آخری شادی سمجھی جاسکتی ہے۔ ہزارہا روپیہ کا صرفہ ہوا اور تمام شہر میں اس کا بہت شہرہ تھا۔

ولادت و تعلیم

بہادر یار جنگ ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ کو اپنے دادا کے سامنے پیدا ہوئے۔ پرورش بڑے ناز و نعم سے ہوئی تھی۔ بہادر یار جنگ مرحوم کے والد نصیب خاں نظام کلب کے ممبر تھے اور مہاراجہ کشن پرشاد کے پاس اچھا رسوخ رکھتے تھے اور بعض اعلیٰ عہدہ داروں سے بھی دوستانہ روابط تھے۔ اس طرح صاحب اخلاق اور صاحب مروت تھے، سنجیدہ اور باوضع رہتے تھے۔ قومی، ملکی جلسوں میں بھی شریک ہوا کرتے تھے۔ تاہم قرضہ کی پریشانیوں میں مبتلا تھے۔ بعد میں صاحب خطاب ہوئے۔ نصیب یار جنگ ثالث نے اپنے تینوں صاحبزادوں بہادر یار جنگ بہادر، اور بہادر خاں صاحب و دولت خاں صاحب کی تعلیم و تربیت کا بھی اچھا انتظام کیا۔ عربی، فارسی، انگریزی کے لئے قابل اساتذہ مقرر کئے گئے اور قومی و ملکی جلسوں میں اپنے بچوں کو بھی ساتھ لاتے تھے اور مدرسوں میں ان کو تعلیم دلائی گئی۔ بہادر خاں صاحب نے تو یورپ کی تعلیم بھی حاصل کی ہے اور ان جاگیرداروں میں شمار ہے جو سنجیدہ ہیں۔ تیسرے فرزند منصف کا عہدہ رکھتے ہیں۔ بہادر خاں صاحب، بہادر یار جنگ مرحوم متعدد مدارس کے بعد مدرسہ دارالعلوم میں تعلیم کے لئے شریک ہوئے۔ ابتدا میں نواب بہادر خاں صاحب مرحوم کی تعلیم مدرسہ عالیہ میں ہوئی۔ سکستھ فارم تک وہاں تعلیم کا سلسلہ چلا تھا کہ جب دارالعلوم میں جامعہ عثمانیہ کی میٹرک کی کلاسیں قائم ہوگئیں تو دوسرے بکثرت طالب علموں کے مثل نواب محمد بہادر خاں بھی دارالعلوم میں سکستھ فارم میں شریک ہوگئے۔ ہرچند ان کی عام قابلیت جماعت سے زیادہ ہی تھی لیکن امتحان میں شریک ہونے کے لئے اس جماعت میں شرکت ضروری تھی۔ انگریزی چونکہ کمزور تھی اور اس سے طبیعت کو کسی طرح مناسبت نہیں تھی اس لئے امتحان میٹرک میں دو تین مرتبہ شرکت کے باوجود کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ دارالعلوم میں اس زمانہ میں طالب علموں نے ایک انجمن "ندوۃ الطلبہ" کے نام سے قائم کی تھی اس کے نواب مرحوم صدر منتخب ہوئے تھے۔ ڈاکٹر محمد غوث صاحب معتمد منتخب ہوئے تھے اور طلبہ میں جوش و سرگرمی پیدا کرنے کی سعی کی تھی اور محمد فاروق صاحب اول تعلقدار بھی ان کے ہم مدرسہ تھے۔ تقریروں میں دونوں کا مقابلہ ہوتا تھا۔ امتحان میں ناکام ہوکر بالآخر مدرسہ ترک کر دیا گیا انھوں نے مولوی سید اشرف علی صاحب شمسی اور مولوی سعادت اللہ خاں صاحب

سے عربی فارسی تعلیم کی تکمیل کی۔ مرحوم کو مدرسہ دار العلوم کے شاگرد ہونے پر فخر تھا اور جشن تاسیس نو دہ سالہ کے موقع پر فخر و انبساط کے ساتھ اس کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ مولوی سید اشرف صاحب شمسی کی تعلیم نے حقیقی اثر و قابلیت ان میں پیدا کردی بہادر یار جنگ کی ذات اس کا عملی ثبوت تھی علم و فضل کچھ مدرسہ اور ڈگریوں پر منحصر نہیں ہے بلکہ عطیہ قدرت اور فیضان الٰہی ہے کہ انسان کو جسے کہ جہاں پہونچ جاتا ہے۔ تقریر کی مشق کے لئے خود اپنے گھر کی ایک انجمن قائم کرلی تھی اس انجمن میں انھوں نے تقریر کی مشق شروع کی اور اس مشق کو اس قدر مستحکم کیا کہ بالآخر بہادر یار جنگ سارے ہندوستان میں اردو کے بہت بلند پایہ خطیب اور حیدرآباد کے قائد بن گئے ایسے خطیب جن کا مد مقابل کوئی نہ تھا۔ تعلیم کی کمی کو کثرت مطالعہ، خانگی تعلیم اور قومی رسالے دور کر دیا بچپن سے ہی مطالعہ اخبار اور اچھی صحبتوں نے ملک و ملت کے مسائل سے ان میں دلچسپی پیدا کردی۔ لہو و لعب اور عیش و نشاط سے تنفر پیدا کر دیا

سیاحت اور پبلک لائف کا آغاز

بہادر یار جنگ مرحوم نے ہندوستان کی اور پھر افغانستان کی سیاحت اپنے فرقہ کے معتقد اعظم کے قبر کی زیارت کے لئے کی ہے اور اس سفر نے ان میں مستعدی اور جذبات خدمت ملت و ملک پیدا کر دئیے۔ تبلیغ نگ نظر فرقہ واریت سے وہ اتحاد المسلمین یا پان اسلام ازم کے عقیدے کے پرجوش قائد ہو گئے اور ورود تبادت ملت کے بعد عموماً نماز عامۃ المسلمین کے ساتھ باجماعت مساجد میں ادا کرتے تھے اور ہمہ تن ان کی یہ کوشش تھی کہ اتحاد المسلمین کو کامل تقویت اور مسلمانوں کا بول بالا ہو۔ فرقہ واریت، حنفیت اور اتحاد اسلامی سب کو بنائے رکھیں۔ اس کوشش میں عامی افراد ان کو نامناسب الفاظ بھی کہتے تھے۔ افغانستان سے واپسی کے بعد قدرت الٰہی نے ان سے عظیم فرائض انجام دلائے جو خدمت ملت و ملک کے لئے ان کے حصہ میں لکھے ہوئے تھے۔ مجلس بلدیہ، مجلس وضع قوانین اور دیگر قومی و ملکی تحریکوں میں انھوں نے بطور رکن حصہ لینا شروع کیا اور دیکھتے دیکھتے وہ بڑے مقرر ہو گئے جن کی تقریریں سامعین کو متاثر کرتی تھیں اور ان کا حلقہ احباب وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ حیدرآباد میں کوئی بھی ایسا فرد نہ ہوگا جو ان کی طرح اپنے متعارفین و احباب کا اس قدر کثیر حلقہ رکھتا ہو۔ معمولی ملازم خانگی اور چھوٹے دکاندار سے لیکر اعلیٰ سے اعلیٰ سوسائٹی کے اعلیٰ ترین افراد امرا و وزرا تک سے دوستانہ تعلقات تھے اور بغیر کسی مذہب و ملت اور کسی قوم و طبقہ کی خصوصیت نہ تھی۔ اپنے پبلک مشاغل کے سلسلہ میں اسلامی دنیا کا وسیع سفر کیا اور حج و زیارت سے مشرف ہوئے اور اس سیاحت نے ان کو اتحاد المسلمین کا پرجوش حامی بنا دیا۔ ہر ایک قومی و ملکی رفاہ کے کام میں ان سے سرپرستی یا تعاون کی استدعا ہوتی تھی اور وہ حتی الوسع ہر ایک معاملے میں دلچسپی سے دریغ نہ کرتے تھے۔

فکر معاش سے اللہ جل شانہ نے بے فکر رکھا تھا اور باپ کے انتقال کے بعد مہاراجہ سرکشن پرشاد کو ثالث بنا کر تقسیم جاگیرات اپنے اور اپنے بھائی میں کرائی۔ متروکہ کی بھی بہنیں خوشی حسب شرع شریف تقسیم کرادی۔ یہ تذکرہ کسی صحبت میں خود ان کی زبان سے سنا گیا۔ اس کے بعد اپنی اسٹیٹ کا انتظام اچھے کارپردازوں کے حوالہ کیا اگرچہ اپنی اعلیٰ نگرانی بھی وقتاً فوقتاً قائم کرلی۔

اس قدر مضمون بروز انتقال لکھا گیا تھا دوسرے دن غور کرتا ہوں کہ کیا لکھوں انگریزوں میں اکابر رجال کے انتقال کے متصلاً تنقیدی سوانح حیات لکھی جاتی ہے حیدرآباد میں کس کی لکھی گئی جو ان کی لکھی جائے گی۔ اخبارات کچھ عام تفصیلات پر ختم کردیں گے مگر ان کا نام زندہ رہیگا اور کچھ حالات زندگی لکھے جاتے ہیں۔

میرے لئے ان کی مستند تنقیدی سوانح حیات لکھنا دشوار ہے کیونکہ ان کی تفصیلات سے چنداں واقفیت نہیں۔ ان کے کوئی ہمراز اور رفیق ان کی پبلک لائف پر علانیہ اور پس پردہ سب سے زیادہ استناد کے ساتھ قلم اٹھا سکتے ہیں۔ تفصیلات زندگی بھی مجھکو چنداں معلوم نہیں

مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ اس مقالہ میں (۱) ان کی عام زندگی کے چند نمایاں پہلو (۲) ان کی پبلک لائف پر میرے نقطہ نظر سے تنقید پر کچھ لکھا جاتا ہے۔

عام زندگی کے چند نمایاں پہلو

(۱) عطیۂ ایزدی ہنس مکھ زندگی اور مسکراہٹ بہادر یار جنگ میں نمایاں تھی اور اسی عطیۂ قدرت نے ان کو حیدرآباد میں محبوب القلوب بنا دیا۔ اکابر رجال کے چہروں پر ترش روئی یا خاموشی و متانت اکثر نظر آئے گی۔ مگر بہادر یار جنگ مجسم مسکراہٹ و خندہ روئی تھے۔ بڑے بڑے جلسوں میں پر غضب اور اشتعال دہ مضامین پر وہ تقریر کرتے مگر اس وقت بھی وہ ہنسی اور مسکراہٹ کے پردہ میں ہی سارا مضمون دل نشین کر دیا کرتے تھے۔ مکان میں ہوں یا مسجد میں، جلسوں میں ہوں یا کسی اعلیٰ کارفرمائے حکومت سے ملاقات ہو خوش مزاجی مجسم۔ شرافت اور خندہ پیشانی ہی وہ نظر آتے تھے۔ ہر ملاقاتی مجمع میں وہ خود ہنستے ہوئے رہتے سے قطع نظر دوسروں کو بھی ہنساتے رہتے تھے۔ پھر متانت بھی کبھی جدا نہ ہوتی تھی ان کی عظیم عزیز القلوب قیادت میں ان کو یہ عطیۂ ایزدی بہت بڑا کامیاب کرنے والا تھا۔

(۲) مارشل اسپرٹ اور عزم صمیم قائد اور حاکم کے لئے مارشل اسپرٹ اور عزم صمیم لازمات سے ہے۔ ہم باسمیٰ بہادر خاں تھے۔ نذیر احمد کا یہ شعر ہے۔ ؎ سٹوڈنٹ تیغ دو دم بن کے نکلیں ؛ سپاہی و اہل قلم بن کے نکلیں۔ بہادر یار جنگ اس شعر کے مفہوم کو ہمہ تن پورا کرتے تھے۔ وہ ورزشی، پہلوانی، سپاہ گری کے جملہ صفات رکھتے تھے۔ کتابی علم کے ساتھ ورزش سے بھی ہمیشہ سالقہ رکھا تھا۔ بلند تر قائد و خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ وہ سپاہیانہ کمالات اور عزائم میں بھی اپنے ابنائے زمانہ سے بہت آگے تھے۔ "گرز کار بیکاران است" عالمگیرؒ کے مقولہ کو سمجھتے تھے اور قومی و ملکی اشتغال کے مقابل ورزشی اور اسپورٹنگ مشاغل کو ثانوی درجہ پر رکھا تھا۔

(۳) سلیقہ، صفائی، نفاست بہادر یار جنگ ایک حد تک متمول طبقہ سے تھے اور ان کی عالیشان حویلی میں، ان کی سواری میں ان کے لباس میں، ان کے عادات و اطوار میں سلیقہ، صفائی، نفاست مجسم اور لائیک نظر آتے تھے اگرچہ سادگی بھی ان کا لازمہ تھا۔ ان کی دیوڑھی میں ہر کام کے لئے علاحدہ جگہ تھی اور ہر جگہ متعلقہ چیز سلیقے سے رکھی ہوئی رہتی تھی۔

(۴) کتب خانہ، سلح خانہ ان کے باپ دادا کو کتابوں کے جمع کرنے اور مطالعہ سے بظاہر چنداں دلچسپی نہ تھی اور نہ کوئی بڑا ذخیرہ کتب ورثتاً بہادر یار جنگ کو ملا تھا۔ مگر اپنے شوق سے جس قدر وسیع کتب خانہ انھوں نے جمع کیا اور جس طرح خوشنما جلدوں کو بنوا کر شیشے کی الماریوں میں رکھا تھا وہ ذوق سلیم کا نمایاں نشان تھا۔ اسی طرح ہتھیار وغیرہ ذی شان خاندانی کے نشان ان کے پاس تھے۔ یہ اور ان کے دیگر سامان دلچسپی اور مشاغل سے لطافت اور خوش مذاقی کا ثبوت ملتا تھا۔

(۵) اخلاق اور رفع حاجات خلائق وہ بچے، جوان، بوڑھے، امیر، غریب، عالم، جاہل ہر ایک سے خوش خلقی کا برتاؤ کرتے تھے اور مجسمۂ اخلاق معلوم ہوتے تھے۔ روزانہ بکثرت اہل حاجات کا ہجوم ان کے پاس ہوتا تھا۔ کوئی مالی مدد چاہتا تھا کوئی کسی ذاتی کارروائی میں سفارش اور توسل کا خواہاں۔ جہاں تک ممکن ہو التفات سے گفتگو کرتے اور نفی کا جواب دینا ہو تو سنجیدگی اور اخلاق سے دیا کرتے تھے۔ ان اہل حاجات سے گفتگو کرنے اور ان کے کاموں کے پورا کرنے میں اگر وعدہ کر لیا تو ان کا بڑا وقت ضائع ہو جاتا تھا۔

(۶) دوستانہ میل جول اور ضبط وقت ان کے دوستوں کا حلقہ نہایت وسیع تھا اور روز بروز بڑھتا جاتا تھا مگر عملی قدر و منزلت وہ دوستی کو قائم رکھنے اور ان کی خوشی و دعوت کی تقریبوں میں خوش دلی سے شامل ہونے اور غمی میں تعزیت وغیرہ کے لئے جاتے تھے۔ جہاں کہیں وہ جاتے زندگی و چہل کا نشان وہاں پیدا ہو جاتا۔ اس کے باوجود وہ اوقات کے پابند تھے۔

حیدرآباد کیا بلکہ ہر جگہ مسجد، پبلک جلسہ، دعوتی تقریبیں، کسی بھی صحبت میں ان کے مصافحہ و تکلم کے لئے جس قدر عظیم ہجوم ہوتا تھا اور جس تبسم کے ساتھ کچھ نہ کچھ لفظ کہتے ہوئے وہ عامۃ الناس کی اس خواہش کو پورا کرتے تھے وہ مقبولیت کی دلیل تھی اس مقبولیت کے ساتھ ان کی متواضع اور منکسرانہ وضع قطع ان کو ہمہ درجہ عزیز قلوب بنا دیتی تھی۔

مسلم قومی رہنماؤں کے لئے ضروری ہے کہ روزمرہ زندگی کے لئے ترقی ثقافت ملکی روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے افراط و تفریط سے پاک خوش گزران اور منظم زندگی کا نمونہ اپنے عمل و کردار سے قائم کریں۔ بہادر یار جنگ اس اہم نقطہ نظر کو جو قومی رہنماؤں کے لئے لازمات سے ہے ملحوظ رکھتے تھے۔ مذاق سلیم و لطیف ان کی زندگی کے ہر ایک پہلو میں نمایاں تھا۔ بہادر خان بہادر یار جنگ کو بلند نامی میں یہ صفات عالیہ بڑی حد تک ممد و معاون تھے۔

ان کی پبلک لائف پر میرے نقطۂ نظر سے تنقید

عظیم تر مسلم قیادت

بہادر یار جنگ نے تیس سال کی عمر میں جس طرح عظیم تر قیادت مسلمانوں کی حاصل کر لی اور مسلمانوں سے قطع نظر دیگر تمام طبقات سرکاری و غیر سرکاری کو ان کے لحاظ رکھنے پر مجبور ہو جانا پڑا اور جس طرح حیدرآباد کے ہر محلہ اور تقریباً ہر گھر سے متجاوز ہو کر قصبات و تعلقات میں ان کا نام جس قدر مشہور و مقبول خاص و عام تھا وہ اپنی آپ نظیر ہے۔ بہادر یار جنگ کی ۲۰ سالہ پبلک لائف کے تجزیہ دس سال ایک خوش قسمت ذی وجاہت پبلک ورکر کے طور پر گزرے جس کو زیادہ تر ہر دلعزیزی اور شہرت حاصل کرنا مدنظر ہو ہر چند ان عمل میں وہ جاتے تھے کسی قوم و طبقہ خیال سے اختصاص نہ تھا۔ مجلس جاگیرداران، مجلس بلدیہ، مجلس وضع قوانین، ایجوکیشنل کانفرنس یہاں تک کہ فری میسن لاج تک دلچسپی کا مرکز رہے ہیں۔ مدرسے، انجمن، خاص خاص تعلیمی و تمدنی تحریکیں، خاص خاص مشاہیر بیرونی کی آمد، ہر جلسے، تمدنی اصلاحیں، دارالمطالعہ، زندگی، ٹورنامنٹ، سرکاری و غیر سرکاری تقریبیں۔ غرض ایک طویل فہرست ان کے پبلک مشاغل کی مرتب ہو سکتی ہے اس میں ان کی . . . تقریریں، نمایاں دلچسپی پیدا کرنے کی محفلیں، مختلف اداروں و کمیٹیوں میں تیز و تند مباحثے بھی کرتے تھے۔ مگر جو کچھ کار پبلک لائف ان کا ابتدائی دس سال کا تھا وہ پبلک لائف میں وقتی حد تک محدود و خاص تمام جلسے، جیسے تقسیم و تبلیغ، خطیبانہ تقریر اور مجالس انتظامی وغیرہ ہوں تو اتفاق رائے و شرکت و عام مباحثہ تک ہی وہ محدود ہوتے تھے۔ اس زمانہ میں خود کو رہنمائی اور قوم تک لیجانے کا چنداں خیال نہ تھا۔ خود بطور محرک و بجز کسی چیز کو پیش کرنا یا راہنمائی و حقیقی کی کشمکش زیادہ پسند نہ کرتے تھے۔ اس حالت میں تبدیلی ایک طرف تحریک آئینی اصلاحات ہندوستان اور گول میز کانفرنسوں اور دوسری جانب برادران وطن میں آئینی اصلاحات میں رعایا کو شریک کرنے اور مسلمانوں کے مقابل ہندوؤں کو ملازمت و حکومت خود اختیاری میں زیادہ حصہ دینے کے مطالبات سے ہوئی۔ تفصیلات کو کسی علاحدہ موقع پر رکھ چھوڑتے ہوئے یہ کہنا ضروری ہے کہ حیدرآباد میں مسلم اور ہندو مسئلہ علانیہ صورت میں شدت سے پیدا ہو جانے کی بنا سر علی امام صاحب کے طریقہ عمل سے ہوئی۔ پھر ہندوستان کے ہندو مسلم تحریکات ملکی کی صدا حیدرآباد میں گونجنے لگی۔ جیسے صاحب بھی طویل عرصہ تک برادران وطن کے سیاسی بلکہ دیگر معاشرتی و تعلیمی تحریکات سے بھی چنداں ہمدردی نہ رکھتے تھے۔ خاص کر کیشو راؤ صاحب و امن ناگ صاحب، راجہ بالمکند صاحب سے بھی اسی عمل اثر کرتا تھا۔ سر علی امام صاحب کی تحریک اصلاحات سیاسی سے حیدری تھا۔ اور نظامت جنگ کو قطعی اختلاف بڑی حد تک تھا۔

حالات تیزی سے بدلنے لگے ایک طرف [illegible] اور ان کے تعلقات [illegible] آئینی [illegible] سے زیادہ ہونے لگے اور [illegible] سے ان کے تعلقات [illegible] دوسری طرف [illegible] آریہ سماج انجمن حیدرآباد میں بھی ہندو افراد کے شکایات و [illegible] کو قوت [illegible] حیدرآباد میں [illegible] ہندو مسلم [illegible] پیدا ہونے [illegible] اور [illegible] مسلم [illegible] نمایاں کر دئیے۔ برطانوی ہندوستان سے

وطن کی صدائیں آنے اور مقابلہ کرنے لگیں۔

مولانا مرتضیٰ صاحب مرحوم کی زبردست شخصیت زیر زمین ہو چکی تھی۔ وزراء و ذمہ داران حکومت شخصی فوائد کے متعلق زیادہ منہمک تھے۔ اعلیٰ عہدوں کی ترقی ان کے متوقع کارگزاری کے بجائے اثر قابل لحاظ ہو جاتا ملک میں عام تاثرات پیدا کر چکے تھے۔ جاگیرات پر تشدد اور نگرانیوں سے بھی وفادار طبقہ تک متاثر و بیزار ہو چکا تھا۔ بہرطور ہندو مسلم مسئلہ پیدا ہوا۔ اور جب ہندوؤں میں پیدا ہوا تو مسلمانوں میں رد عمل ہوا اور اتحاد المسلمین کی انجمن جس میں بہادر یار جنگ مرحوم کا اثر نمایاں ہو گیا تھا قائم ہو گئی۔ اس دور میں حیدری صاحب کا نقطہ نظر ان کے سیاسی نظریات مسلم ہند بمقابلہ حیدرآباد کے متعلق بدل چکے تھے۔ قومیت کا تخیل خداوندان برطانیہ کے اثر سے آن میں بھی پیدا ہو گیا تھا۔ ملازمان سرکاری پر قومی تحریکات میں حصہ نہ لینے کی بندش آغاز ہو چکی تھی۔ اس طرح قدرتاً اس کا موقع پیدا ہو گیا کہ بہادر یار جنگ مسلم تحریک اور اتحاد المسلمین میں قائد کی حیثیت میں نمایاں ہوں۔

اس اثنا میں وفاق ہندوستان کی تحریک پیدا ہو گئی اور برطانیہ برطانوی حکومت کا منشاء یہ حکمت عمل ہو گیا کہ وفاق میں تمام دیسی ریاستوں کو بشمول حیدرآباد شامل کیا جائے تاکہ وہ برطانیہ کی پشت و پناہ ہو جائیں۔ حیدرآباد کو مساوی آزاد حلیف کے بلند رتبہ سے پست کر کے والیان ریاست کی عام سطح پر لا لیا جائے۔ اور جب وفاق قائم ہو جائے تو حیدرآباد کے عام امتیازی خصوصیات سکہ، ٹیکہ، کروڑگیری و ریلوے کو بھی تابع فرمان حکومت وفاقی ہند بنا لیا جائے۔ بظاہر برطانوی حکومت نے یہ تصور کیا کہ وفاق کی ہمہ گیری دیسی ریاستوں پر عائد کرنے سے کانگریسی سرگروہ خوش ہو جائیں گے کہ حکومت ہند ریاستوں پر حکومت کے ساتھ دستور ہندوستان کو دے رہی ہے۔ ساتھ ہی انتہائی کوشش اس میں جاری رکھی گئی کہ ریاستوں کے نمائندے جو وفاقی مجالس میں آئیں وہ ریاستوں کے نامزد ہوں اور رعایا کے نہ ہوں۔ اس موقع پر کانگریس اور ہر ایک ہندو صنف مثل ہندو مہاسبھا آریہ سماج سے ریاستی رعایا کو اپنے ساتھ متحد کرنے جو جد و جہد ہوئی آشکار ہے۔ اس سلسلہ میں حیدرآباد کو جس طرح جولانگاہ شدت سے بنایا گیا اور جس طرح حکومت ہند اور صوبجاتی حکومتوں نے اور حیدرآباد کے انگریز اعلیٰ حکام نے خاموش ہمت افزائی سلطنت حیدرآباد کو مرکز فساد بنانے کے لئے آریہ سماج مہاسبھا وغیرہ کی کی وہ ظاہر ہے۔ اس طرح کی خاموش ہمت افزائی بظاہر صریحاً واجبات معاہدات سرکارین کے منافی تھی اور اس کے مقابل سرکار عالی کا تقسیم بنگال کے بعد کا وہ طرز عمل جو حکومت برطانیہ کے مقابل ہر قسم کی مخالف سیاسی تحریکوں کو نہ پھیلنے کے لئے مدعی رہا وہ ایک سیاسی مفکر کے سمجھنے کے قابل ہے۔

یہ کہنا پڑتا ہے اور وہ یقیناً واقعات کے مطابق ہے کہ بیرونی و اندرونی طور پر جو منظم سیاسی فسادات اور سیول نافرمانی حیدرآباد میں ہو رہی تھی اور جس میں کانگریسی وزرائے بمبئی و سنٹرل پراونس کا طرز عمل ان کی مخالفانہ تحریکیں بڑی حد تک آگ مشتعل کرنے کے باعث ہوتے رہے حیدر نواز جنگ اور ان کی بابت حکومت نے جو عمل رکھا اور جس طریقہ سے گاندھی جی اور جمنالال بزاز سے صدر اعظم حکومت نے مراسلت کی اور اس میں جس تحکم سے صدر اعظم حیدرآباد کو مخاطب کیا جاتا تھا (خاص کر جمنالال بزاز کی مراسلت میں صدر اعظم حیدرآباد کو "اکسیلینسی" کا لفظ لکھا گیا تھا) اور جس طرح حکومت حیدرآباد نے خود حیدرآباد میں مفسد اور باغیانہ ایجیٹیشن پھیلانے والے سرگرمیوں کو مطلق العنان چھوڑ رکھا جن کو زور آور قانون کے شکنجہ میں جکڑا جا سکتا تھا۔ درحالیکہ اس کے ساختہ پرداختہ افراد کو گرفتار کیا جاتا تھا وہ دانائی تدبر کے برخلاف تھا غداری نہ کہی جائے تو بزدلی سے ہی اس کی تعبیر کی جا سکتی ہے۔ ایک آریہ سماجی لیڈر کے مکان سے بم بنانے کا مصالحہ برآمد ہوتا ہے تو اس کے لئے حکم خانہ تلاشی تک جاری کرایا جاتا ہے نہ اس کو عدالت فوجداری میں پکڑ کر لایا جاتا ہے گویا ان کو صلائے عام دی جاتی ہے کہ تم جو چاہو ملک میں فسادات پیدا کرا سکتے ہو تم سے داروگیر نہ ہوگی۔ قومی لیڈر سمجھے جاؤ گے۔ حیدری صاحب کا طرز عمل بہادر یار جنگ مرحوم کو میدان عمل میں لانے کا موجب ہوا۔ حیدری صاحب و دیگر قومیت پسند حکام اور اعلیٰ انگریز حکام جب اتحاد المسلمین سے مخالفت

کر رہے تھے۔ حیدرآباد کئی سو سال سے ایک مسلم ریاست اس بنا پر ہے کہ مسلمان فرمانرواؤں نے اس کو فتح کیا (اس کو تاریخی حادثہ کہا جا سکتا ہے مگر وہ حقیقت کو بدل نہیں سکتا۔) اور سارا ہندوستان برطانی عملداری ہو جانے کے بعد بھی وہ مسلم فرمانرواؤں کے زیر نگیں رہا۔ اس ڈر سے کہ اب ہندوستان میں قومیت کی حد تک بیداری پیدا ہو گئی ہے اور حکومت ہند حیدرآباد میں ان کی نیابت بنانی کر رہی ہے مسلمانوں کا یہ کہنے کی کوشش کرنا کہ حیدرآباد برائے نام سلطنت نہیں ہے درحقیقت اپنے سایہ سے ڈرنے کے مترادف ہے۔ خود ہندوستان کو تسلیم رہا ہے کہ حیدرآباد مسلمانوں کی حکومت ہے۔ ساتھ ہی مسلمان بلا ضرورت اس کا ادعا کرتے تھے کہ یہ مسلمانوں کی حکومت ہے۔ انھوں نے اپنی غیر مسلم رعایا پر ظلم کا برتاؤ نہیں کیا نہ رواداری اور مذہب وملت کی آزادی میں ان کو فراموش کیا۔ یہ واقعہ ہے کہ برادران وطن عرصہ تک سیاسی معاملات بلکہ نظم ونسق کی اصلاح کی حد تک بھی کوئی مطالبہ مسلمانوں سے علیحدہ ہو کر کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ حیدرآباد کو کنسل کانفرنس دونوں کا متحدہ قومی ادارہ تھا۔ اس سے علیحدگی کے لئے ہندوؤں نے ہندو تہوار میں شرکت نہ کرنے کو بہانہ بنایا اور ذمہ داران کانفرنس نے سر عام یہ کیا۔ اور [illegible] اکونمک کانفرنس بنالی۔ جب پیپلز اکنومک کانفرنس بن گئی تو پھر سیاسی ادارے بنانے میں کیا مشکل ہو سکتی تھی۔ جب ہندو مسلم علیحدگی پیدا ہو گئی تو برگ وبار پیدا ہونے میں دیر نہ لگی۔ سر اکبر حیدری کا تخیل بدل گیا تھا۔ اور بعض اعلیٰ حکام سنہ سے نیشنلزم کے داعی ہو گئے تھے۔ حیدرآباد میں صحیح تدبر سے مسلم ہندو تفریق کا سوال ہرگز پیدا نہ ہو سکتا تھا۔ اگر حکومت کے حقیقی ذمہ دار انگریزوں کو خوش کرنے برطانوی ہند کی صدائے قومیت کے حامی نہ ہو جاتے۔ جب خود حکومت نے حقیقت کے پہلو کو چھوڑ دیا تو ناگزیر تھا کہ اس کا رد عمل ہوتا۔

راقم کے سامنے وہ تفصیلات نہ آئی ہیں جن کی وجہ سے بہادر یار جنگ مرحوم کو انتہائی شدت کے ساتھ مسلم حقوق کی حمایت علیحدہ کرنے کے سوال کو اٹھانا پڑا اور نہ صورت حال یہ ہے کہ

الف:- معاشرتی اور مذہبی امور میں مسلمان مکمل ترین تنظیم کے ساتھ ہر ایک قسم کی کوشش کر سکتے تھے اور کر سکتے ہیں کوئی چیز مانع نہ مزاحم تھی اور نہ ہندو یا انگریز روک سکتے ہیں۔ اسی طرح ہندو بھی اپنی معاشرت اور مذہب کی آزادی سے اپنا نفس کام کرتے ہیں۔

ب:- غالباً ۹۵ فیصد امور اس ملک میں ایسے مسائل ہیں جو ہندو مسلمان میں مشترک ہوتے ہیں اور جس میں مل جل کر وہ کام کر سکتے ہیں۔

ج:- فیصد ۵ بلکہ اس سے بھی شاذ کو بالکلیہ مختص بہ فوائد مسلمانان امور ہیں جس میں مسلمانوں کو اپنے حقوق پر ادعا ہونا چاہیئے اور اب تک یہ بات رہی ہے کہ ایسے صورتوں میں عموماً ذمہ داران حکومت جو مسلم بھی ہوتے تھے بزور حکومت ایسے معاملات کو بہ نطاق عمل طے کر دیا کرتے تھے اور ایسا عمل اب تک رہا ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا جداگانہ پلیٹ فارم نہ تھا اور مختص بہ مسلم فوائد کے متعلق مسلمان حکام کوئی خاص تصفیہ کرتے تو ہندو اپنی جگہ یہ تصور کر کے خاموش ہو جاتے کہ یہ مسلمانوں کا معاملہ ہے ان سے کچھ مناسب نہیں درحالیکہ وہ اس ملک میں حکمراں ہیں اور مسلمان وہندو برادرانہ اتحاد سے مصروف زندگی ہیں۔

انتہائی کدوکاوش اور جداگانہ مسلم وہندو سیاسی پلیٹ فارم بن جانے کے بعد بھی بار بار ایسے مواقع پیش آئے جس میں بہادر یار جنگ مرحوم کو ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام کرنے میں کوئی عذر نہ ہوا تھا۔

ھ:- اس ملک میں ہندو مسلم تعلقات برطانی ہند سے بالکل جداگانہ اور ممتاز ہیں۔ برطانوی ہند میں ہندو مسلم دونوں یکساں رعیت برطانی کی صورت میں تھے اور ہندو اس کی کوشش راجہ رام موہن رائے کے زمانہ سے کر رہے ہیں کہ برطانوی طرز کی حکومت خود اختیاری ملک میں قائم ہو۔ جس میں خود بخود برطانوی اصول جمہوریت کے بنا پر غلبہ آبادی وجہ وہ حکومت کے ذمہ دار رہیں گے۔ مسلمانوں کو اس کے متعلق مزاحم ہونے پر مجبور ہونا پڑا ہے لیکن یہاں مسلم حکومت حقیقت تاریخی ہے۔

۹ - اس ملک کے برطانی ادارہ ہائے حکومت خود اختیاری جس کی بنیاد صدیوں سے غلبہ آبادی پر رکھی ہوئی ہے قطعاً مسلمانوں کے مناسب حال نہیں ہیں اور حیدرآباد کے اور عام مشرقی اصول حکومت کی بنیاد پر خود ہندوؤں کا تصور نہ ہوتا تھا کہ حیدرآباد میں بالکلیہ برطانی طرز کے جمہوری و آئینی ادارے لازمات سے ہیں۔

۱۰ - مولوی مرتضیٰ صاحب نے پہلی مرتبہ متحدہ مسلم اور ہندو پلیٹ فارم رائے عامہ کے قیام کے لئے حیدرآباد ایجوکیشنل کے نام سے بنائی اور مسلم و ہندو دونوں خوش دلی کے ساتھ اس میں کام مشترکہ اغراض تک کے لئے کرتے تھے اور ان کے تدبر کا یہ نتیجہ تھا کہ اشتراک عمل سے تمام ہندوستان کے لئے نمونہ عمل کا کام جاری تھا۔ لاتور و پربھنی کے اجلاسوں میں ہندو احباب نے اپنی کثرت تعداد کا مظاہرہ تحریکوں کی منظوری و نامنظوری سے کرایا اس کو بہانہ بنا کر ذمہ داران سررشتہ تعلیمات نے ایجوکیشنل کانفرنس کو ختم کرنے کی ہر ممکنہ سعی کی۔ اس کانفرنس کا پس منظر کبھی عیاں کیا جائے گا کہ اس کانفرنس کو اس بنا پر کہ وہ سررشتہ تعلیمات اور جامعہ عثمانیہ میں ایک خاص جماعت کی مطلق العنانی میں مزاحمت کرتی رہی کمزور و ابتر کرنے کی سعی کی گئی۔ مگر مولوی مرتضیٰ صاحب اپنے عزم و خیال میں راسخ تھے۔ انھوں نے کانفرنس کا اجلاس اپنے مرنے سے چند دن پہلے اسی سابقہ اور قائم شدہ پالیسی کے مطابق کرا کر چھوڑا۔ البتہ انھوں نے اس کے رد عمل کو سمجھ رکھا تھا کہ عوام کی ناسمجھی سے رائے شماری کی بدعنوانی اور مطلق العنانی کا کس طرح تدارک کیا جا سکتا ہے۔

۱۱ - بعد کے سکریٹری ایجوکیشنل کانفرنس نے اس کو نہ معلوم کن اغراض کے لئے فراموش کیا۔ سررشتہ تعلیمات میں بھی شخصی مفاد کو اہمیت دی جاتی رہی۔ یہ واقعہ ہے کہ متحدہ محاذ کو کمزور کرنا مسلمانوں، ہندوؤں دونوں کے لئے نقصان کا باعث ہوا۔ برادران وطن علحدہ ہو کر مطلق العنان ہو گئے اس وقت کے صدر اعظم بھی ان کے ساتھ ہو گئے مگر انہیں حاصل کیا ہوا ہے۔ مسلمان اپنا پلیٹ فارم الگ کرتے ہوئے عملاً اس تنظیمی اسپرٹ کو اس سے زیادہ نمایاں نہ کر سکے جو ہندوؤں میں ہے۔ راقم ان تفصیلات سے واقف ہے جن کی بنا پر مسلم سیاسی پلیٹ فارم کو انتہائی شدت کے ساتھ بہادر یار جنگ کو قائم کرنا پڑا لیکن اس حقیقت حال کی بنا پر جو اس ملک کی ہے اور واقعات و حقائق کے لحاظ سے جو گزشتہ دس سال سے ملک میں پیش آ رہے ہیں اور جن کے متعلق وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ مسلم ہندو اختلاف کو اس شدت سے ملک میں پیدا ہو جانے دینا اس ملک کے مخصوص حالات اور دانشمندی و حکمت عملی دونوں کے لحاظ سے صحیح نہ تھا لیکن جب وہ پیدا ہو چکا تھا تو پھر لازمات سے تھا کہ اس کو ایسی صورت حال میں ختم نہ ہونے دیا جائے کہ سو شکست اس میں علانیہ نمایاں ہو۔ راقم شاہ منزل کے تقریب استقبال اراکین مجلس شوریٰ حکومت میں مولوی ابوالحسن سید علی صاحب کی زبان سے انتہائی شدت سے مجلس وضع قوانین کے بجائے مجلس مقننہ قائم کرنے کا مطالبہ سن کر حیران ہو گیا تھا کہ اگر اب یہ خیال پیدا ہو گیا تھا تو پھر اس مخالفت کی کیا ضرورت تھی جو کی گئی۔

اب اگر سے قطع نظر کہ اتحاد المسلمین کا علحدہ مرکز، دور دفتر سے قائم کیا گیا راقم کو یہ لکھنے میں تامل نہیں کہ اصل امر یعنی مسلم اتحاد اور مسلم سیاسی عمل کی مکمل تنظیم عارضی جوش اور خروش علحدہ کرنے کے بعد اصل امر کہ نمایاں تنظیم حاکم گروہ کی ہو جائے جس قدر ہونا چاہئے نہ ہو سکی۔ تنظیم انتہائی دشوار یا دلکش ہے مگر اس کو عمل کرنا ناگزیر ہے۔ بہادر یار جنگ کے لئے جن کو عظیم قوت سارے ملک میں حاصل تھی کافی وقت اور توجہ اس میں صرف کرنا آسان تھا مگر نہ کر سکے۔ تنظیم مساجد ان کو مرکز بنا کر ہر گاؤں اور ہر قصبے اور شہر کے محلوں میں ہو سکتی تھی اور جس طرح قرآن مجید تنظیم مسلمانوں کے وصول صدقات سے حصول اور صرف کے لئے عاملین مؤلفہ باب کی اجازت دیتا ہے جس طرح عیسائی و مبلغ مشنری مامور یا پیر اشاعت تنظیم ملت کے لئے مامور کرتے ہیں اسی طرح مسلم تنظیم کے لئے معاوضے سے افراد رکھے جا سکتے ہیں تاکہ ایک طرف ہر مسلم سے جو کچھ وہ معروف خیر کے لئے دے سکتا ہے لیا جائے پھر کامل احتیاط کے ساتھ تعلیم میں مساجدوں کے انتظام میں تعلیمی تعاون میں محتاج خانوں اور تنظیم ملت کے ہر ایک کام میں باقاعدگی کے ساتھ وہ صرف ہو اور ساتھ ہی ساری قوم میں تمام قومی مسائل پر متحدہ اظہار رائے اس طرح ظاہر ہو کہ اس سے حکومت اور افراد ملت بے اعتنائی

ذکر نہیں۔ منکرات، سینما، سودی کاروبار کی گرم بازاری کو مسلمانوں میں کم کرنا، مسلمانوں کی اصلاح معاشرت ایسے امور پر کام عملاً نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہ اصول جو مجلس شوریٰ حکومت وقت کے زیر نظر تھا اور اس پر اصرار کہ صرف اتحاد المسلمین کے شریک کار کو ہی ملت کا نمائندہ سمجھا جائے خواہ وہ کیسی ہی قابلیت رکھنے والا ہو اور جو اس میں شریک نہ ہو اسکو ملت کی نمائندگی کا حق نہ ہو خواہ وہ کیسا ہی بلند پایا اور متعلقہ صیغہ کے معاملات کی عمیق واقفیت کیوں نہ رکھتا ہو اس کو ملت کی نمائندگی کا حق نہ ہو۔ ملت میں ذریعہ اختلاف بھی ہوا خود ذمہ داران اتحاد المسلمین کو تجربہ ہوا ہوگا کہ جن افراد کو ملت کا زعیم بنا کر مجالس شوریٰ حکومت میں شامل کرایا گیا ان میں کتنے سطحی افراد تھے اور ایسے بہترین افراد کو جو خدمت ملت و ملک کر سکتے تھے اس میں شامل نہ ہونے دینا کس درجہ مناسب تھا۔ اس وقت کے صدر المہام تعلیمات مجلس شوریٰ صیغہ تعلیم میں ایجوکیشنل کانفرنس کا ایک نمائندہ لینا چاہتے تھے اس کو شامل نہ کیا گیا۔

بہادر یار جنگ کی کوشش تھی یا کسی کا اثر تھا معلوم نہ ہو سکا کہ حیدرآباد اور ممالک محروسہ میں غلہ اور اشیائے خام کا وسیع کاروبار کچھ میمنوں نے جا بجا آغاز کر دیا اور اس کی وجہ جو انحصار بڑی حد تک مارواڑیوں پر اس تجارت کا ہو گیا تھا وہ متاثر ہو گیا اور اچھی طرح متاثر ہو گیا اور یہ بڑی اچھی بات ہوئی کہ اسی طرح مسلمانوں نے حیدرآباد میں مٹھائی کا کاروبار بھی شروع کیا۔ ہمارے بچپن میں مٹھائی فروشی کا کاروبار مارواڑیوں کے ہاتھ میں تھا۔ دوسرے پیشوں میں بھی مسلمان نظر آنے لگے۔ روہیلوں اور عرب تاجروں کا بھی بڑا کاروبار قائم ہو گیا ہے مگر ان کا سودی کاروبار استحسان کے قابل نہیں۔ کیونکہ دوسروں سے بڑھ کر خود مسلمانوں کے لئے تکلیف دہ ہو گیا ہے اور ان کی حد بندی لازمات سے ہے۔ تسامح نزدیک تنگی انسانیت کا لازمہ ہیں ان کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ حیدرآباد کے لئے بے مثل اور جری قائد تھے۔ اتحاد المسلمین یا اخوت اسلامیہ میں انھوں نے ہی نمایاں کیا ہے

ان کے جنازہ کا منظر

بہادر یار جنگ کا دفعتاً انتقال تمام ملک میں حیرانی و سراسیمگی سے دیکھا گیا اور جس طرح خواص و عوام کا ہجوم عظیم جنازے کے ساتھ تھا وہ راقم کی زندگی میں کسی میت کے کسی قوم و مذہب میں کبھی نظر نہ آیا ہے۔ یہ صاف نظر آرہا تھا کہ کتنا عظیم اثر اور کتنی زبردست عقیدت و محبت مرنے والے کے ساتھ نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ دوسرے ملت کے افراد میں موجود ہے۔ جنازے سے قطع نظر ممالک محروسہ کے ہر شہر ہر قصبہ ہر گاؤں میں عام تاسف کا اظہار ہوا ہے اور خود برطانوی ہند میں بھی جو کچھ تاسف کیا گیا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کتنی ہر دلعزیزی بہادر یار جنگ نے اعماق قلب میں حاصل کر لی تھی اور یہ دراصل اس کی طرف اشارہ ہے کہ زندگی میں خدمت ملت و ملک ہی سرمایہ سعادت و عزت کو حاصل کر سکتی ہے۔

ہلال احمد زبیری

خطیب اعظم

نواب بہادر یار جنگ کا نام جب زبان پر آتا ہے تو سب سے پہلے ان کی انتہائی موثر و سحر انگیز تقریروں کا تصور ذہن میں ابھرتا ہے۔ ریاست حیدرآباد میں مجلس اتحاد المسلمین کی تنظیم کے دوران ان کی قیادت و خطابت سے ریاست کے مسلمانوں کو متحد و مجتمع کرنے میں جو کامیابیاں حاصل ہوئیں وہ تو ہندوستان کے دوسرے حصوں میں بسنے والوں کے لئے دور کی باتیں تھیں مگر جب انھوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے ہندوستان کے نہ صرف بڑے بڑے بلکہ چھوٹے چھوٹے شہروں میں بھی ہزارہا مسلمانوں کے اجتماعات کو مخاطب کیا اور اپنی دل آویز ولولہ انگیز تقریروں سے عوام کو مسخر کر لیا تو ان کے کمالِ فن کا سکہ پورے ملک کے طول و عرض میں سب کے دلوں پر بیٹھ گیا۔ جس کسی نے اس زمانے میں اُن کی کوئی تقریر سنی ہے وہ کبھی اسے فراموش نہیں کر سکتا اور وہ زندگی بھر اسے یاد رہے گی۔

مگر ان کی خطابت کے سلسلہ میں محض جادو یا سحر کے الفاظ استعمال کرنے ہی سے بات ختم نہیں ہو سکتی۔ اس کے مدعی تو بہت سے لوگ رہے ہیں۔ نواب بہادر یار جنگ کی خطابت میں اور بھی دو عناصر ایسے شامل تھے جو انھیں ایک امتیازی درجہ عطا کرتے ہیں اور جن کی وجہ سے ان کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ دل کی گہرائیوں میں اترتے جاتے تھے۔ ان کا خلوص اور دوسرا ان کا ادبی ذوق۔ ان کے خلوص کا تو ہر اس شخص کو قائل ہونا پڑتا ہے جس نے زندگی میں انھیں قریب سے دیکھا تھا یا وفات کے بعد ان کے سوانح حیات کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ ابتدا ہی سے اسلام کے ساتھ والہانہ عشق رکھتے تھے اور جاگیردارانہ نظام سے جس میں وہ پیدا ہوئے تھے قطعاً بیزار تھے اور اسے بعد میں انھوں نے ترک بھی کر دیا۔ وہ بہت حساس دل رکھتے تھے جس میں مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالنے کا حقیقی جذبہ موجزن تھا۔ قرآنی مطالب کی تشریح کرتے وقت بے اختیار رونے لگتے تھے۔ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر انھیں لانے کا محرک بھی یہی جذبہ تھا جس کا ابھی ذکر کیا گیا۔

جن حضرات کا تعلق قومی تحریکات سے رہا ہے بالخصوص صحافی حضرات نے اس برعظیم کے اکثر سیاسی رہنما اور علما کی تقریریں ضرور سنی ہوں گی اور ان میں سے بعض ایسے مقرروں اور خطیبوں کے متعلق جو اپنی ساحری اور جادو بیانی کے لئے مشہور تھے یہ مشاہدہ بھی کیا ہو گا کہ وہ رات رات بھر ہزارہا نفوس کے مجمعوں کو اس طرح مسحور و مسحور رکھتے تھے کہ کوئی شخص اپنی جگہ سے ہلنے کا نام نہ لیتا تھا اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد نعرہ ہائے تحسین کے فلک شگاف نعرے

۱- ریاست ۲- کے ۳- بڑے بلکہ ۴- تقریروں سے عوام ۵- جس کسی نے اس زمانے میں
۶- ہو سکتی اس کے ۷- جو انھیں ایک ۸- جاتے تھے ایک ۹- زندگی میں انھیں
۱۰- والہانہ عشق ۱۱- انھوں نے ترک بھی ۱۲- حقیقی جذبہ موجزن

سے گونج اٹھتی تھی۔ مگر ان کی تقریر کا یہ عالم ہوتا تھا کہ اگر کوئی ماہر مختصر نویس ان کو ضبط تحریر میں لاکر یا کوئی صحافی ان کو ٹیپ کر کے اگلے دن صبح کے اخبار میں من وعن شائع کرا دیتا تو ان تقریروں کے پڑھنے والوں میں جوش و ولولہ پیدا ہوتا تو در کنار کسی کے پلے کچھ بھی نہ پڑتا۔ بقول غالب ؎ مدعا عنقا ہے اپنے عالم تحریر کا۔

اس قسم کی تقریروں کا وقتی تاثر ہزار ہا انسانوں پر مشتمل مجمعوں کی ہنگامی نفسیات تک محدود رہتا تھا اور اخبار میں چھپنے کے بعد ختم ہو جاتا تھا۔ مگر نواب بہادر یار جنگ کی ہر تقریر کا ایک ایک لفظ اس قدر جچا تلا اور ان کا ہر جملہ زبان و بیان کے مسلمہ قواعد میں اس قدر منضبط ہوتا تھا کہ پوری تقریر کے من وعن اگلے روز اخباروں میں چھپنے کے بعد بھی فصاحت و بلاغت کی تمام خوبیاں باقی رہتی تھیں اور نا تمام کا کوئی شائبہ ضائع نہیں ہوتا تھا ان کی مطبوعہ تقریر کو پڑھنے والا ٹھنڈے دل سے [illegible] پڑھتا ہوا ان میں بھی ان کی گرمیٔ گفتار کو محسوس اور ان کے منطقی دلائل کو قبول کر سکتا تھا۔

وہ کوئی فارغ التحصیل جید عالم نہیں تھے مگر اسلام کے متعلق تحقیق کا شوق انھیں ایام طفولیت ہی سے تھا۔ پھر اس کے بعد انھوں نے اپنے مطالعے کو اس قدر وسعت دی کہ اسلام کے بنیادی مسائل پہ گہری نظر پیدا کر لی جو ان کی تمام تقریروں میں ابھرا نظر آتی ہے۔ جہاں تک خطابت کا تعلق ہے انھوں نے مولانا ابو الکلام آزاد اور مولانا سلیمان ندوی سے کسب فیض ضرور کیا تھا مگر ان کا اپنا ایک مخصوص طرز بیان تھا جس میں کسی قسم کی مماثلت تلاش کرنا بیکار ہے۔ ان کا انداز خطابت طبع زاد تھا اور ان کی جذباتی کیفیات سے عین مطابقت رکھتا تھا۔ وہ جذبہ کے ساتھ منطق سے بھی کام لیتے تھے اور اس معاملے میں تبلیغ دین کے متعلق اسلامی احکام کو ملحوظ رکھتے تھے وہ حیدر آباد اور اس کے نواح میں ایک عرصے تک تبلیغ اسلام کی موثر خدمات انجام دے چکے تھے۔ عالم اسلام کی سیاحت، حیدر آباد کی سیاسی تحریک میں شرکت، ریاست ہائے ہند کی سیاسی تنظیم سے وابستگی نے ان میں ایک طرح کی سیاسی وسعتِ نظر بھی پیدا کر دی تھی۔ اس لئے جب وہ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر آئے تو تحریک آزادی کے سب سے بڑے کارنامے کے لئے موزوں ترین شخصیت تھے۔

نواب بہادر یار جنگ نے مسلم لیگ کی تبلیغی مہم میں شریک ہو کر ایک نیا آہنگ اور ایک نیا ماحول پیدا کر دیا۔ اس وقت تک لیگ کے پلیٹ فارم پر جس قدر رہنما نمایاں تھے وہ سب کے سب جدید سیاست دان ہی تھے۔ کوئی ایسا مقرر نہ تھا جو خالص مذہب کی بنیاد پر مسلمانان ہند کو دعوتِ عمل دے۔ انھوں نے نہ صرف اس کمی کو پورا کیا بلکہ اپنے زور خطابت اور دینی و مذہبی دلائل سے پوری تحریک کا رخ ہی بدل دیا۔ انھوں نے پاکستان میں قائم ہونے والی اسلامی حکومت اور قرآن و سنت کے مطابق وجود میں آنے والے اسلامی معاشرے پر زور دیا اور اس کے لئے مسلمانوں سے جانی و مالی قربانیاں پیش کرنے کی انتہائی موثر اپیلیں کیں۔ ان کی اسی ندا سے مسلم لیگ کی سیاست میں ایک انقلاب برپا ہو گیا۔ یہ ان کا سب سے بڑا کارنامہ تھا اور اس کی تکمیل کے بعد ہی وہ اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے۔

قائد ملت پاکستان کے عظیم مبلغ [illegible] حلیل الرشید [illegible]
نواب بہادر یار جنگ [illegible]

نواب محمد بہادر خاں شہید

سلطنت مغلیہ کے صوبہ دار نظام الملک آصف جاہ اول دہلی کے ماتحت تھے حکومت مغلیہ کے کمزور ہونے کی وجہ سے دکن کی حکومت خود مختار ہو گئی جس کا آخری تاجدار حضور نظام میر عثمان علی خاں آصف جاہ سابع مرحوم تھے جن کے دورِ حکومت کافی ترقی کی اور ان کا ۲۵ سال سالہ دورِ حکومت مکمل ہونے کے بعد جشن سیمین منایا گیا تھا۔ ریاست حیدر آباد کا رقبہ ۸۲۶۹۸ مربع میل تھا۔ اس کی آبادی ایک کروڑ چھیاسی لاکھ تھی۔ ہندوستان میں انگریزی حکومت کے قبضہ کے بعد ۶۰۰ دیسی ریاستوں میں یہ سب سے بڑی ریاست تھی۔ جو اندرونی طور پر نیم آزاد تھی۔ اس حکومت کی ذاتی فوج، پولیس، سکہ، ڈاک (ٹپہ) اور ریلوے تھی جو نظام اسٹیٹ ریلوے کہلاتی تھی حکومت برطانیہ نے وفاداری کی وجہ سے "یارِ وفادار سلطنت برطانیہ" کا خطاب دیا تھا۔ شہر حیدر آباد میں انگریزی حکومت کا نمائندہ اور اس کی فوج سکندر آباد و ملکگیری اور مختلف مقامات پر متعین تھی جو انگریزی حکومت کے مفادات کی نگرانی کرتی تھی۔ اور نظام حیدر آباد کی ریاست میں کلیدی عہدوں پر انگریز عہدیدار مقرر تھے۔

جامعہ عثمانیہ کا قیام

ریاست حیدر آباد دکن اسلامی حکومت تھی۔ اس لئے اردو زبان کو سرکاری زبان کا درجہ حاصل تھا ممالک محروسہ حیدر آباد دکن میں اردو بولی اور سمجھی جاتی تھی حکومت تمام دفاتر میں اردو ذریعہ مراسلت تھی۔ ۱۹۱۹ء میں جامعہ عثمانیہ کا قیام عمل میں آیا جو ہندوستان میں اردو زبان کی واحد یونیورسٹی تھی جس میں علاوہ اردو کے مشرقی اور مغربی ممالک کی زبانوں کی تعلیم بھی دی جاتی تھی محکمہ امور مذہبی، مذہب اسلام، قرآن و سنت کے مقاصد کو روبعمل لانے کے لئے ایک علیحدہ محکمہ قائم کیا گیا تھا۔ اردو زبان کے ذریعہ تعلیم کی وجہ سے ریاست میں جملہ شعبہ جات فنون کے کالج قائم کئے گئے تھے جہاں پر۔ بی۔ اے، ایم۔ اے، پی۔ ایچ ڈی ایم بی بی ایس، ایل ایل ایم اور انجینئرنگ کے طلبہ اردو کے ذریعہ کامیابی حاصل کرتے تھے اور کامیاب ہو کر قوم و ملت کی خدمت کرتے تھے۔

دار الترجمہ کا قیام

دار الترجمہ عثمانیہ کی تعلیم کے لئے بنایا گیا۔ بابائے اردو عبد الحق مرحوم اور دیگر حضرات کے مشورہ سے حضور نظام نے ہندوستان، مشرقی وسطی اور مغربی ممالک کے مستند قابل علماء کو حیدر آباد بڑی اعلیٰ تنخواہوں پر ملازم رکھا تھا اور ہر قسم کی سہولتیں دیں۔ جن میں سے قاضی تلمذ حسین ایم۔ اے عبد اللہ عمادی، ڈاکٹر میرزا محمد ہادی رسوا، سردار بلدیو سنگھ، عنایت اللہ، الیاس برنی، عبد الرحمن مدنی، سید ہاشمی فرید آبادی،

مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا عبدالقدیر بدایونی، جوش ملیح آبادی، حبیب الرحمن شروانی، ابوالقاسم حسرت وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ دارالترجمہ میں عربی فارسی، انگریزی وغیرہ زبانوں کا ترجمہ بامحاورہ اردو میں کیا جاتا تھا کتابوں کو محفوظ کرنے کے لئے ایک عظیم الشان کتب خانہ آصفیہ قائم تھا جس سے تعلیم یافتہ طبقہ بلامعاوضہ استفادہ کرتا تھا۔

حکومت نظام کی ذاتی فوج تھی جس میں جمعیت سکھاں، عربوں کا رسالہ، حبشی شیدی رسالہ اور جمعیت افغان بھی شامل تھی جن کے کمانڈر عماید اور سرداروں کو موروثی طور پر جاگیرات، منصب دیگر اعزازات آصفیہ نے ہر قبیلہ کو بلالحاظ مذہب عطا کئے تھے جس میں مسلمانوں کا زیادہ حصہ تھا۔ روہیلوں اور پٹھانوں میں قدیم پٹھان خاندان کے موروثی خاندانِ سدوزئی نواب محمد نصیب [illegible] ورجنگ مرحوم کا خاندان بھی جاگیرداروں میں خاص امتیاز کا مالک تھا۔ جو محبوب جمعداری پر فائز تھا اور ریاست آصفیہ کے قیام سے اپنی جانثاری اور وفاداری کی وجہ سے جاگیر لال گڑھ کی تھی اپنی ذاتی فوج کے علاوہ دیگر اعزازات بھی تھے اور ڈیوڑھی بیگم بازار میں [illegible] تھی جہاں پر وقت مقررہ پر نوبت بجائی جاتی تھی۔ دربار آصفیہ کے موقع پر دیگر جاگیرداروں کی طرح ان کا بھی دربار شاہی میں مخصوص مقام تھا۔ اور خاص لباس پہنکر باریاب ہوتے تھے۔

ولادت

نواب محمد بہادر خاں کی ولادت اسی پٹھان خاندان میں ۵ر فروری ۱۹۰۵ء مطابق ۲۷ر ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ کو جہدوی کا منزل بیگم بازار حیدرآباد میں نماز فجر کے وقت ہوئی جو محمد اقبال شاعر مشرق کے مردم اور دیدہ ور کی پیدائش تھی۔ والدین نے ان کا نام محمد بہادر خاں رکھا تھا۔

تعلیم و تربیت

ان کی ابتدائی مذہبی تعلیم مولوی محمد سعادت اللہ مندوزئی مصنف تفسیر سعادت البیان اردو اور خاندانی استاذ و مذہبی پیشوا علامہ بحرالعلوم سید اشرف شمسی صاحب کالاڈیرہ چنچلگوڑہ مؤلف تفسیر لامع البیان سے تفسیر قرآن مجید، احادیث صحاح ستہ، فقہ، فلسفہ و منطق اردو فارسی کی تعلیم حاصل کی جس کی وجہ سے ۲۵ر سال کی عمر میں مستند مفسر قرآن ہو گئے اور نوابی ٹھاٹ کے برعکس باعمل مومن بن گئے پابند صوم صلوٰۃ تھے۔

نواب صاحب نے دنیاوی ابتدائی تعلیم مدرسہ فوقانیہ انوار العلوم و مفید الانام میں حاصل کی اور مدرسہ عالیہ میں جہاں پر ریاست حیدرآباد کے بڑے بڑے جاگیرداروں کے بچے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ان مخصوص مدارس میں حکومت کی جانب سے مستند اعلیٰ تعلیم یافتہ ماہرین تعلیم جو علمی اور فنی تعلیم دینے کے لئے مقرر تھے۔ ان سے فن سپہ گری، نشانہ بازی، تیراکی اور دیگر فنون تاریخ عالم، اردو کنتری تلنگی، مرہٹی اور انگریزی کی تعلیم حاصل کی جس کی وجہ سے بین الاقوامی معاملات اور تاریخ اسلام پر عبور حاصل کیا۔

نواب بہادر یار جنگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سختی سے پابند تھے پنجوقتہ نماز کے علاوہ رمضان المبارک کے مکمل روزے رکھتے تھے۔ تراویح کے لئے حافظ قرآن کا انتظام کرتے تھے۔ عیدالفطر کے بعد ستہ شوال کے روزے بھی پابندی سے رکھتے تھے۔ دینی معاملات میں کارِ خیر کے لئے زکوٰۃ کی رقم غربا و بیواؤں

اور یتیموں میں تقسیم کرتے تھے۔ قرآن کریم پر گہری نظر تھی اس وجہ سے ان کو تفسیر اور ترجمہ بیان کرنے کا خاص شوق تھا۔ بیگم بازار کی ڈیوڑھی کے نزدیک ملحقہ خاندانی مسجد حسامیہ میں نمازِ فجر کے بعد قرآن مجید کی تفسیر خاص جذبہ اور انداز سے بیان کرتے تھے جس کے سننے کے لیے مسلمان کثیر تعداد میں شرکت کرتے تھے، راقم الحروف کو نواب صاحب مغفور کی تفسیر سننے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ ان کا طرزِ بیان کچھ ایسا ہوتا کہ ہر شخص ہمہ تن گوش ہو جایا کرتا تھا وہ ہر وقت کسی نہ کسی اچھے شغل میں مصروف رہتے تھے۔ احباب، اعزا، مذہبی علماء، طلبہ، مشائخ، عہدیداران سلطنت، غیر مسلم جو بھی ڈیوڑھی میں آتا وہ باریاب ہوتا اس سے مہمان نوازی کا سلوک کرتے تھے طلباء اور مفلوک الحال اشخاص کی حسب حیثیت امداد کرتے تھے۔ اکثر لوگوں کی جائز سفارش کرتے تھے۔ پان کھاتے تھے حقہ پینے کا شوق تھا کڑوا دورے گڑاکو دتمباکو استعمال کرتے، جس سے شوقین احباب بھی استفادہ کرتے تھے اکثر مہمانوں کی شربت اور چائے سے تواضع کرتے تھے۔ ہر مذہبی تقریب میں ضیافت کی جاتی تھی جس میں بندہ کو بحیثیت طالب علم شرکت کا شرف حاصل ہوتا تھا

تبلیغ اسلام

نواب صاحب مسلمانوں میں اتحاد اور اصلاح کے علاوہ تبلیغ اسلام کے سخت حامی تھے جو ان کو ورثہ کے طور پر ملی تھی انھوں نے اس کی اشاعت اپنی جاگیر لال گڑھ سے شروع کی اور اس کو تبلیغی مرکز بنایا جس نے بتدریج ترقی کرتے کرتے بنام مجلس تبلیغ الاسلام، ۱۹۲۷ء میں مستقل طور پر تبلیغی انجمن کی حیثیت اختیار کر لی جس کی وجہ یہ تھی کہ پست اقوام جو ہندوؤں کے پیدائشی غلام تھے ان پر اعلیٰ ذات کے برہمن ہندوؤں کا غلبہ تھا۔ وہ اپنے عقائد کی وجہ سے ان پر ہر قسم کے مظالم کرتے تھے اور ان کو انسانی حقوق سے محروم کر دیا تھا۔

یہ مظلوم انسان باوجود ہندو کہلانے کے بھگوان کی پوجا کرنے مندروں میں نہیں جا سکتے۔ اور ان کے کنوؤں اور تالابوں سے پانی نہیں لے سکتے ہیں۔ ان سے کھیتوں میں کسان اور ہاری کا کام لیا جاتا ہے اور برائے نام معاوضہ دیا جاتا ہے۔ ان کو آبادی سے دور رکھا جاتا، ان کے بچے تعلیم حاصل نہیں کر سکتے۔ ان کو انسانی مساوات کا درجہ حاصل نہیں تھا اور یہ لوگ باوجود انسان ہونے کے جانوروں سے بدتر تھے۔ اگر یہ لوگ اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی وفاداری سے معمولی سا بھی انکار کریں تو ان کو قتل کر دیا جاتا۔ ان کے گھروں کو آگ لگا کر زندہ جلا دیا جاتا۔ ان کی تعداد ۱۹۴۰ء میں ہندوستان میں بشمول حیدرآباد دکن چودہ کروڑ تھی۔ ان بے زبان انسانوں پر یہ غیر انسانی سلوک دیکھ کر نواب صاحب کا اقدس ضمیر کانپ اٹھا۔ انھوں نے ان کو مسلمان کرنے کے لئے روٹی، کپڑے، مکان کا انتظام کیا۔ ان کو ہر قسم کی سہولتیں دیں اور اسلامی واعظوں نے اپنے اخلاق و کردار سے اور حسن سلوک سے مسلمان کر لیا۔ بالآخر ان قدیم اقوام اور پست اقوام کو ہزاروں کی تعداد میں مسلمان کیا۔ یہ دیکھ کر عیسائی پادریوں اور آریہ سماج مہاسبھائیوں نے ان کے خلاف محاذ قائم کیے اور ان میں اچھوتوں کے مسلمان ہونے کی وجہ سے ایک تہلکہ مچ گیا وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے ہزاروں برس کے قدیم غلاموں کو ان کی خدمت سے جدا کر کے مسلمان بنا لے اور وہ پھر ان کی برابری کا دعویٰ کریں۔ اسی لیے انھوں نے تبلیغی کاموں میں ہر طرح کی مشکلات پیدا کیں مگر نواب صاحب نے مردانہ وار مقابلہ کیا۔ حکومت برطانیہ جس کا نمائندہ وائسرائے ہندوستان پر حکومت کرتا تھا

اس کی مقننہ انتظامیہ عدلیہ اور تمام دفاتر میں اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کا غلبہ تھا۔ برطانوی حکومت زیادہ تر ہندوؤں کی رائے پر چلتی تھی۔ حکومت آصفیہ پر اپنے نمائندہ کے ذریعہ دباؤ ڈالا گیا کہ انجمن تبلیغ اسلام کو ختم کیا جائے اور نواب صاحب پر پابندی لگائی جائے مگر اس کی پروا نہیں کی گئی۔

آریہ سماج اور ہندو مہا سبھا کی سازش

ہندوؤں نے متحد ہو کر حیدرآباد کے طول و عرض میں آریہ سماج کی تحریک چلائی جس کا مقصد مسلمانوں کو شدھ کرنا، نومسلموں کو ورغلانا اور ہنگامہ کرنا تھا اس میں ہندوستان کے متعصب فرقہ پرست سردار ولبھ بھائی پٹیل ڈاکٹر مونجے ساورکر، پنڈت مدن موہن مالویہ وغیرہ شریک تھے جس میں ہندوؤں کے لکھ پتی ساہوکاروں برلا، ٹاٹا نے کروڑوں روپے کی امداد دی۔ شہر حیدرآباد کے مختلف ہندو محلوں میں آریہ سماج کے مرکز قائم کئے گئے جہاں بظاہر طور پر پراتھنا کی جاتی تھی در پردہ ہندو نوجوانوں کو فوجی تربیت دی جاتی تھی ان ہندو نوجوانوں کو ناریل کے اندر بم بنانے، قتل کرنے، گھروں کو آگ لگانے اور ان کو لوٹنے کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس تنظیم کا نام "آریہ پرتی ندی سبھا نظام راجیہ" رکھا گیا اس کا صدر حیدرآباد دکن کے مشہور معروف متعصب آریہ ہندو ونایک راؤ بیرسٹر تھا جس کی نیت پر بعض نام نہاد کانگریسی مسلمان بھی تھے۔

ان کی سازش تھی کہ اس حیدرآباد کی اسلامی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں تلنگانہ یا تلنگی بولنے والوں کا ایک علیحدہ صوبہ آندھرا تشکیل دیا جائے مرہٹواڑہ مرہٹی بولنے والے علاقہ کو صوبہ مہاراشٹر بمبئی سے ملا دیا جائے اور کرناٹک یا کنڑی بولنے والے اضلاع کو ریاست میسور میں شامل کیا جائے تاکہ ریاست اسلامیہ کا وجود ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے انھوں نے اس بات کی بھی کوشش کی کہ مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑا کر ان کی قوت کمزور کر دی جائے اس طرح مسلم لیگ جو پاکستان کا مطالبہ کر رہی تھی اس کو ختم کیا جائے۔ ریاست کی مردم شماری مسلمانوں کے فرقوں کی بنیاد پر کی جائے تاکہ مسلمانان دکن متحد نہ ہو سکیں جس کو نواب صاحب کی باریک بینی ذہن و عقل نے تاڑ لیا تھا۔

ہندو مہا سبھا نے شہری حقوق کے نام سے شہر حیدرآباد اور ممالک محروسہ کے طول و عرض میں سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی۔ ان کے جتھے کے جتھے ریاست میں داخل ہوتے تھے حکومت آصفیہ اور مسلمانوں کے مذہب کے خلاف فرقہ وارانہ نعرے لگاتے تھے۔

ہندو مہا سبھا نے میر عثمان علیخاں والئی دکن کا خاتمہ کرنے کے لئے نارائن راؤ مرہٹہ کو موٹر پر بم مارنے کی تربیت دی۔ روز روشن میں گرامر اسکول کے نزدیک کنگ کوٹھی روڈ پر سے جب نظام دکن کی موٹر حسب معمول گزری تو اس مرہٹہ نے موٹر پر بم مارا مگر خوش قسمتی سے نظام بال بال بچ گئے۔ نارائن راؤ گرفتار ہوا جس کو عمر قید کی سزا دی گئی ان کے ساتھ سکھوں نے بھی اشتراک کیا دسہرہ اور ہولی کے موقعوں پر ہتھیار بند جلوس مسلمانوں کے محلوں کے راستوں سے نکالے جاتے تھے تاکہ مسلمانوں کو مرعوب کیا جا سکے وہ مسلمانوں کے

مذہب کے خلاف نعرے لگاتے تھے۔ نواب صاحب نے ان حالات کا بغور مطالعہ کیا اور دکن کے امرا و عوام کو بیدار کیا انجمن تبلیغ اسلام خاکسار تحریک میں شرکت اور مجلس اتحاد المسلمین کی سرگرمیاں غیر مسلموں کی مسلم دشمن سرگرمیوں کے انسداد اور مدافعت کے لئے عمل میں آئیں۔

حج بیت اللہ و زیارات مقاماتِ مقدسہ

قائد ملت دکن مفسر قرآن تھے حضور[۲] سرور دو عالم سے بے پناہ عقیدت اور محبت تھی۔ سب سے زیادہ ان کے خیالات کو شاعر مشرق محمد اقبالؒ، محمد علی جوہر، جمال الدین افغانی، سید احمد بریلی اور شاہ ولی اللہ کے سوانح حیات اور ان کی کتابوں نے متاثر کیا اس لئے انسانی زندگی کے ہر گوشۂ حیات کو قرآنی نظام اور قوانین الٰہی کے مطابق ڈھالنا چاہتے تھے۔ اقبال کے اسلامی افکار اور منتخب اشعار کو عید کارڈ اور دیگر کتبات کے ذریعہ طبع کرا کے شائع کرتے تھے۔ ۲۱ اپریل ۱۹۳۱ء کو سرور دو عالم کے دربار میں طلبی ہوئی حج بیت اللہ کیا اور حج سے فارغ ہو کر سرکار دو جہاں خاتم الانبیاء محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم کے روضۂ مقدس میں حاضری دینے کے لیے مدینہ منورہ تشریف لے گئے جونہی سبز گنبد اور روضہ مبارک پر نظر پڑی بے اختیار فرط محبت اور خوشی و مسرت کی وجہ سے آنکھوں سے آنسو نکل پڑے جالی مبارک کو بوسہ دیا اور ان کے دائمی رفیقین امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سلام اور جوشش محبت سے فی البدیہہ سرکار دو عالم کی شان میں حسب ذیل قصیدہ پڑھا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ محمد بہادر خاں مفسر قرآن مجید، خطیب، مضمون نگار، شعلہ بیان مقرر ہونے کے علاوہ شاعر بھی تھے۔ چنانچہ حضور پاک سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرمایا۔

قصیدہ در شانِ خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ آلہ وصحبہ وسلم!

اے کہ تیرے وجود سے خالقِ دوجہاں کو ناز — اے کہ ترا وجود تھا وجہ وجودِ کائنات
اے کہ ترا سرِ نیاز حدِّ کمالِ بندگی — اے کہ ترا مقامِ عشق قربِ تمام عینِ ذات
مجھ سے بیاں ہو کس طرح رفعتِ شانِ احمدی — تنگ میرے تصورات پست میرے تخیلات

حج بیت اللہ سے فراغت کے بعد سعودی عرب کے سلطان ابن سعود سے ملاقات کی۔ سلطنتِ عثمانیہ ترکی کے آخری خلیفہ عبد العزیز کے پوتے جمال پاشا اور مصر، شام، فلسطین، ایران اور افغانستان کے سربراہوں سے ملاقات کی اور ان سے اسلامی امور پر تبادلہ خیال کیا۔ وہاں سے مراجعت کرنے کے بعد اپنا تفصیلی سفرنامہ "بلاد اسلامیہ" لکھا یہ بلاد اسلامیہ مشرق وسطیٰ کا معلوماتی سفرنامہ ہے ترکی کی سیاحت کا خاص تذکرہ ہے۔ نواب صاحب نے شہر استنبول میں جامع مسجد میں نماز پڑھی اور ایک طویل نظم منظوم کی جس کے چند اشعار قارئین کے مطالعہ کے لئے پیش خدمت ہیں ملاحظہ ہو!

میزبانی جس نے کی تھی سرور کونین کی — تیرے دیواروں کے نیچے ہے ترا مہمانؓ
تیری رفعت کا پتہ دیتے ہیں مینارے ترے — اور تیری مسجدیں ہیں تیری عظمت کا نشاں

ؓ صحابی رسولﷺ حضرت ابو ایوب انصاریؓ

خاکسار تحریک میں شرکت

پنجاب کے انتہائی ذہین اور اعلیٰ التعلیم یافتہ شخص جنھوں نے بڑی محنت اور جانفشانی سے مغربی ممالک کی جامعات سے اعلیٰ اسناد حاصل کی تھیں ان کا نام علامہ عنایت اللہ خاں مشرقی تھا جو اعلیٰ علوم و فنون اور سیاست کے ماہر ترین فاضل سمجھے جاتے تھے انھوں نے جرمنی کا بھی دورہ کیا تھا اور ہٹلر سے ملاقات کی تھی۔ وہاں سے واپسی کے بعد خاکسار تنظیم قائم کی۔ خاکساروں کا خاکی لباس تھا اور دنیا کے مزدوروں کا بیلچہ ان کا ہتھیار تھا۔ یہ بیلچہ بردار فوج تھی اس نے مسلمانوں میں جذبہ جہاد پیدا کر دیا تھا جس سے متاثر ہو کر نواب بہادر خاں نے بھی عملاً شرکت کی زر کثیر صرف کر کے مملکت آصفیہ کے طول و عرض میں اس کی شاخیں قائم کی گئیں جس کا راقم الحروف بھی ایک ادنیٰ خاکسار سپاہی تھا جو محلہ نارائن گوڑہ حیدرآباد دکن میں عوامی خدمت انجام دے رہا تھا۔ جب حیدرآباد دکن میں مہاسبھا اور آریہ سماج نے ہندو مسلم فساد کی ابتدا کی اور اشیائے خورد و نوش اور پھلوں وغیرہ میں زہریلے انجکشن کے ذریعہ سے مسلمانوں کو قتل کر کے گھاٹ اتارنا چاہا تو اس خاکسار تحریک نے مقابلہ کیا اور فرقہ پرستوں کی خبر لی۔

قائد اعظم محمد علی جناح نے جب ہندوؤں کی خود غرضی دیکھی تو انھوں نے مسلم لیگ کو مضبوط کر کے ہندوستانی مسلمانوں کو ایک مرکز پر قائم کیا اور ہندو اور انگریزی حکومت سے مسلمانوں کے لئے ایک علحدہ وطن پاکستان کا مطالبہ کیا محمد بہادر خاں ہندوؤں اور انگریزوں کے ہتھکنڈوں سے واقف تھے لہذا وہ بھی تحریک پاکستان کے زبردست حامی بن گئے۔ خاکسار تحریک کا پاکستان دشمن رویہ دیکھ کر نواب صاحب فوراً اس تحریک سے علحدہ ہو گئے اور اسی نمونہ پر ریاست حیدرآباد میں رضاکار تحریک قائم کی جو خاکسار تحریک کی طرح نیم فوجی تحریک تھی جس کا لباس یونیفارم سبز رنگ کا تھا اور وہ اس کے ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے۔

مجلس اتحاد المسلمین کا قیام

ہندوؤں کی تخریبی سرگرمیوں کی مدافعت کے لئے مولوی محمود نواز خاں قلعدار، حکیم مقصود علی خاں اور مولوی بندہ حسن وغیرہ نے "مجلس اتحاد المسلمین" قائم کی جس میں ریاست کے پچیس لاکھ مسلمان شریک ہوئے۔ ہر مسلمان اس کا رکن تھا نواب بہادر یار جنگ کی شرکت سے مجلس کا خاص نظام قائم ہو گیا اور اس کو ترقی ہوئی۔

حکومتِ ہند کی ہدایت پر حکومت نظام نے اس کو سیاسی تنظیم قرار دے کر خلاف قانون قرار دیا اور کوئی سرکاری ملازم اس کا رکن نہیں بن سکتا تھا کیونکہ اس پر پابندی تھی مجلس اتحاد المسلمین میں جو سرکاری ملازم شامل ہو گئے تھے ان کو ہدایت تھی کہ وہ ملازمین اپنی [illegible] کارنامہ ملازمت میں قوم، ذات اور مذہب کے خانہ میں "مسلمان" "مسلم" اور اسلام کا اندراج کریں تاکہ مسلمانوں میں ذات، فرقہ کی تخصیص کو ختم کیا جائے۔ خاکسار مجلس اتحاد المسلمین کا رکن تھا۔ راقم الحروف کے کارنامہ ملازمت کی نقل مطابق اصل درج ذیل ہے۔ یہ [illegible] ملازم رکن مجلس اتحاد المسلمین [illegible] ہوتا تھا۔

صفحہ اول

کارنامہ ملازمت

نام مع ولدیت۔ میرزا محمد عسکری کاظمی ولد میرزا محمد آغا ولی صاحب
خدمت۔ اہلکار طبابت سول سرجن، ورنگل
مطبوعہ دار الطبع سرکار عالی
مسجد درگاہ دکن

صفحہ دوم

نام ملازم۔ میرزا محمد عسکری کاظمی
قوم ذات و مذہب مسلمان، مسلم، اسلام
وطن اور سکونت حال۔ حیدر آباد دکن ترپ بازار لشکر بازار ہنمکنڈہ ورنگل
باپ کا نام وطن اور سکونت حال میرزا محمد آغا ولی صاحب لکھنؤ منصور نگر
تاریخ ولادت بلحاظ سنہ فصلی جہاں تک ممکن ہو ۹ آذر سنہ ۱۳۲۹ ف (نو آذر سنہ تیرہ سو انتیس فصلی)
قامت۔ ۵ فیٹ ۱/۲ ۱ انچ
حلیہ بائیں پنڈلی پر تقریباً گول زخم کا نشان، بائیں آنکھ کے نیچے نشان زخم۔
زنانہ پردہ دار ملازمات کے لئے صرف نقش ابہام کافی سمجھا جائیگا۔

دستخط ملازم۔ (دستخط شدہ)
عہدہ دار افسر دفتر۔ (دستخط شدہ)
افسر تصدیق کنندہ

حکومت آصفیہ مسلمانوں کے باہمی جھگڑے کی سخت مخالف تھی اس تحریک مدح صحابہ کے موقع پر ایک خفیہ وفد لکھنؤ بھیجا تاکہ ان ملازمین سرکار یا ریاستی مسلمانوں کی فہرست حاصل کرے جو اس سلسلہ میں حیدر آباد دکن سے لکھنؤ جا رہے تھے تاکہ ان کے لئے تادیبی کارروائی اختیار کی جاسکے۔

کچھ کانگریسی ہندو اور مسلمان ریاست حیدر آباد کی فضا کو بھی خراب کرنا چاہتے تھے تاکہ مجلس اتحاد المسلمین کا شیرازہ ٹوٹ جائے اور مسلم لیگ کا خاتمہ کیا جاسکے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں مجلس اتحاد المسلمین کے نقیب ڈاکٹر کاظم علی رضا جو وہاں کی سب سے بڑی تنظیم "گروہ حسینی" کے صدر اور نواب صاحب کے خاص رفیق تھے اور دوسرے اہل الرائے حضرات نے نواب صاحب سے مشورہ کیا نواب صاحب اتحادی فضا قائم رکھنے

کے لئے کوشاں ہو گئے۔ اور انھوں نے اس کے لئے ۳ شعبان المعظم کا دن مقرر کیا جو حضرت امام حسینؑ کی پیدائش کا دن تھا۔ چنانچہ تمام مرکزوں امام بارگاہوں میں اتحاد اسلامی کے موضوع پر نواب صاحب اور ان کے رفقاء اہل سنت و جماعت کے علماء نے تقریریں کیں جس کی وجہ سے یہ خطرہ ٹل گیا

آریوں کا فساد

حیدر آباد کے محلہ دھول پیٹھ میں جہاں ہندوؤں کی گنجان آبادی تھی آریہ سماج کا زور بڑھ رہا تھا۔ نومسلموں کو ڈرا دھمکا کر لالچ دے کر دوبارہ ہندو بنانے کی کوشش کی جاتی تھی اس ہندو آبادی میں مسلمان اقلیت میں تھے جنھوں نے مجبور ہو کر اپنی حفاظت کی کوشش کی لیکن سازشی ہندو تو فساد پر تلے ہوئے تھے انھوں نے مسلمانوں کو وہاں سے جبراً بھگا دیا ان کے گھروں کو لوٹا اور آگ لگا دی۔ نواب صاحب مرحوم کا ایک بھانجا اور بھتیجا چاروں طرف سے گھیر لیا گیا اور بے دردی سے دونوں کو قتل کر دیا۔ ان کے جنازے بذریعہ فوج حاصل کئے گئے بہت سے فسادی آریہ سماجی گرفتار ہوئے۔ یہ دن حیدر آباد شہر میں یوم غم کی حیثیت رکھتا تھا تمام مسلمان غم و غصہ سے مشتعل تھے اور ہندوؤں سے انتقام لینا چاہتے تھے۔ ان شہیدوں کے جلوس میں لاکھوں مسلمان شریک تھے اور پورے شہر کی دکانیں بطور احتجاج بند تھیں۔ ایسے غضبناک ہجوم کو جو ہتھیاروں سے مسلح تھا نواب صاحب مرحوم نے اپنی پُر اثر تقریر سے روک دیا ورنہ ہندوؤں کا زبردست قتل عام ہوتا۔ اور ان کی وجہ سے زبردست خطرہ ٹل گیا۔ ان کی شہادت کے موقع پر جب یہ شہیدوں کے جنازے نماز جنازہ کے بعد حظیرہ شاہ قاسم قبرستان واقع محلہ مشیر آباد میں دفن کئے گئے تو نواب صاحب مغفور نے جنازہ کے مجمع سے مخاطب ہو کر ایک طویل تقریر کی جس میں مسلمانوں کو صبر کی تلقین کی اور ان دونوں شہیدوں کو دفن کرنے کے بعد فرمایا۔

"اقوام ملل کی کھیتیاں پانی سے نہیں خون سے سینچی جاتی ہیں۔ یہ دونوں عزیز شہید قابل مبارکباد ہیں کہ انھوں نے اپنا فرض ادا کر دیا اور اپنے تازہ اور نوجوان خون سے اسلام کی کھیتی کی آبیاری کی۔"

کانگریسی حکومت نے آل انڈیا اسٹیٹ کانگریس تنظیم قائم کی تھی جس کی ترقی کے لئے حیدر آباد کے ہندو وکلا بیرسٹر جاگیردار پیش پیش تھے۔ ہندوؤں نے ترقی طلباء کے نام سے کچھ مسلمان طلباء کو ورغلایا اور ان کو بیش بہا رقمیں دیں جس کی وجہ سے وہ اس تنظیم کے سرگرم کارکن بن گئے اور کانگریسی "نظریات کی بنیاد پر ایک قومی نظریہ کی اشاعت شروع کی گئی" نرسنگ راؤ اڈیٹر امروز کو حبیب اللہ خاں رامپوری تحصیلدار کا نوجوان لڑکا شعیب اللہ خاں مل گیا جو ریاست میں کانگریس کی زبان بن گیا۔ نواب صاحب نے اس کے مقابلہ میں مسلم طلباء کی تنظیم قائم کی جس کی طرف سے مسلمان غریب طلباء کو وظائف اور کتابیں دی گئیں۔ کانگریسی مسلم طلباء متحد ہو کر اس نوع کی نظم پڑھتے تھے وہ ہیں ہندو ہم ہیں مسلماں وہ وید کے قائل حافظ قرآن

صلح سے ہوگا کام ہمارا

۱۹۳۹ء میں مجلس اتحاد المسلمین کا انتخاب ہوا جس میں ریاست کے تمام مسلمانوں نے متفق ہو کر نواب صاحب

اپنا صدر منتخب کر لیا۔ ان کی بیش بہا اور بے لوث، پُر خلوص خدمات کی وجہ سے "لسان الملت" اور "قائد ملت" کے خطابات دیے گئے ہندوؤں کے زور کو توڑنے کے لئے۔ نواب صاحب نے "کل ہند اسٹیٹس مسلم لیگ" قائم کی اور ریاست کے ۲۵ لاکھ مسلمانوں کو متحد کیا جس کی وجہ سے مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی اور ہندو ڈرنے لگے۔ نواب صاحب پاکستان کو منزل مقصود سمجھتے تھے ان کا ایمان قرآن مجید کے الٰہی قانون اور سنت رسول اللہ پر تھا وہ روسو، کارل مارکس، لینن، ٹالسٹائی، اینی بیسنٹ اور گاندھی کے قائل نہ تھے بلکہ انھوں نے برملا اعلان کیا تھا کہ "اگر عنایت اللہ مشرقی یا قائد اعظم محمد علی جناح اسلام کے سوا کوئی دوسرا نظام حیات لانا چاہتے ہیں تو میں ان کا بھی قائل نہیں ہوں"

نواب صاحب نے قائد اعظم اور مسلم لیگ کے رہنماؤں کے ساتھ پنجاب، صوبہ سرحد، بلوچستان اور سندھ میں طوفانی دورے کئے مسلم لیگ کے لاتعداد جلسوں میں پاکستان کے حصول کے لئے اور اتحاد اسلامی کے لئے مسلسل تقریریں کیں۔ ہندو کانگریس اور کانگریسی مسلمانوں کی سازش کا پردہ چاک کیا بھولے بھالے مسلمانوں کو ہندوؤں کی سازشوں سے آگاہ کیا مسلم لیگ اور پاکستان کے مقصد کی اشاعت کی۔

حکومت آصفیہ نظام اور اس کی حیثیت

حکومت نظام نیم آزاد ریاست تھی۔ برطانوی حکومت کا نمائندہ قلب شہر میں (Residency Fort) قلعہ میں جس کو سلطان بازار کہتے تھے مع فوج کے متعین تھا برطانوی مفاد کے لئے سکندر آباد، ترملگیری، لالہ گوڑہ، اورنگ آباد اور ریاست حیدر آباد کے اہم مقامات مرہٹی پر ہندو، راجپوت، ڈوگرہ، سکھ فوج متعین تھی اس لئے اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ حکومت آصفیہ انگریزوں کی کٹھ پتلی حکومت یا buffer state تھی کیونکہ نظام کے اجداد نے انگریزوں کی انتہائی وفاداری اور تابعداری سے ہندوستان کے قیام میں ہر طرح کی امداد کی تھی اس لئے اس کے صلہ میں "یار وفادار سلطنت برطانیہ" کا خطاب حاصل کیا تھا جو ہندوستانی ریاستوں میں سب سے بڑا اعزاز تھا۔ ریاستی نظم و نسق برطانوی نمائندہ کے مشورہ سے یا اس کے مقرر کردہ وزیر اعظم کے مشورے سے چلایا جاتا تھا۔ سر اکبر حیدری دہلی کے وائسرائے کے مشورے سے وزیر اعظم مقرر ہوئے تھے جو برطانیہ کے نمک خوار وفادار ملازم تھے حکومت آصفیہ ان کے مشوروں کی پابند تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ریاست حیدر آباد میں ہندو آبادی کی بنیاد پر مسلمانوں پر سیاسی برتری حاصل تھی۔ ہندوؤں کا خاص لحاظ رکھا جاتا تھا۔ ان کی تالیف قلوب کی خاطر گائے کے ذبیحہ پر پابندی تھی ان کو مذہبی آزادی حاصل تھی ان کو ملازمتوں میں زیادہ رکھا جاتا تھا اس لئے نواب صاحب کی تبلیغی اور سیاسی سرگرمیاں ناپسندیدہ تھیں اور اس پر پابندیاں لگائی گئیں کافی عرصہ تک نظر بند کئے گئے زبان بندی کی گئی ان کو حکومت نے وزارت کا لالچ دیا قید و بند سے ڈرایا دھمکایا گیا مگر بہادر خاں اسم بامسمٰی تھے انھوں نے کسی کی بھی پرواہ نہ کی ان کا سر حضور نظام دکن یا کسی دنیاوی قوت کے آگے نہ جھکا

اور اس سلسلے میں سراکبر حیدری وزیر اعظم حیدر آباد سے ٹکر لی۔ اور ریاست حیدر آباد میں ہر مقام پر یا ہندوستان کے مختلف جگہ مذہبی سیاسی تقریریں کرتے رہے کٹر کانگریسی ہندوؤں کی کھلم کھلا مخالفت کی ان کی شعلہ فشاں تقریروں سے کانگریس اور انتہا پسند ہندو سخت پریشان تھے۔ ایک بار مسلم لیگ کے ایک جلسہ میں اعلان کیا کہ پاکستان کا دستور قرآنی ہوگا اور اس کی حکومت کلام اللہ اور سنت رسول اللہ پر قائم کی جائے گی جس کو سنکر قائداعظم بہت ہی خوش اور متاثر ہوئے اور حالت جذبہ میں بڑے جوش میں میز پر مکہ مار کر لاکھوں کے مجمع کو آواز بلند کہا "(محمد بہادر خاں) تم بالکل درست کہتے ہو"۔ یہ سنکر انھوں نے جوش مسرت سے عوام سے مخاطب ہوکر کہا اور اعلان کیا کہ قائد اعظم محمد علی جناح نے میرے قول کی تصدیق کی پھر وہ خلوص سے ان کے خاص رفقا میں شامل ہوگئے۔ ان حالات کو دیکھ کر ہندوؤں کے بڑے زعماء اور برطانوی حکومت کے نمائندہ دہلی نے نظام دکن کو مجبور کیا ان کو اس کی سزا دی جائے چنانچہ حکومت آصفیہ نے بہادر یار جنگ کا خطاب، جاگیر اور جملہ اعزازات سے تادیباً ان کو محروم کر دیا۔ مگر اس اللہ کے نیک بندے نے اس کی مطلق پرواہ نہ کی اور اپنا سب کچھ اسلام اور قوم ملت پر قربان کر دیا۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ نظام دکن نے کسی نظم میں ایک مقطع کہا تھا۔ ع

سلاطین سلف سب ہوگئے نذر اجل عثماں   مسلمانوں کا تیری سلطنت سے ہے نشاں باقی

اس مقطع کو نواب صاحب برداشت نہ کر سکے اور انھوں نے دارالسلام حیدر آباد کے لاکھوں مسلمانوں کے مجمع سے متفقہ طور پر کہلوایا ہم مسلمان دکن کے بادشاہ ہیں اور اس کے مظہر عثمان علی خاں محافظ ہیں ہم نہیں تو وہ نہیں"۔ آخر کار جب انھوں نے اپنے سیاسی اور مذہبی مسلک کو تبدیل نہ کیا کیونکہ وہ حیدر آباد دکن کو ہندوؤں اور انگریزوں کی دھری غلامی سے آزاد کرنا چاہتے تھے ان کو ہندو اور انگریزوں سے ... سیر تھا وہ مسلمانان ہند کی نشاط ثانیہ کے علمبردار اور سچے رہنما تھے وہ شاہ ولی اللہ، سید احمد بریلوی، مولانا محمد علی جوہر، یار لذ افغانی تیتو میر شہید کے نقش قدم پر چل رہے تھے۔ وہ دھن کے پکے تھے اور کوئی دنیاوی طاقت ان کو ان کے مطمع نظر سے کسی طرح بھی ہٹا نہیں سکتی تھی۔

ان کی شہادت سے پہلے ان کے یہی الفاظ میں ان کا حقیقی عرض حال پیش کیا جاتا ہے کہ وہ سچے مومن اور دل کے صاف تھے ان کے اقوال تھے "باعمل مقبول بے عمل مردود۔ مومن عہد کرتا ہے تو پورا کرتا ہے۔ جان اور مال سب اللہ کے ہیں"۔ حکومت آصفیہ نے حکومت ہند کے دباؤ سے جب ان پر سختی کی اور پابندی لگائی تو نواب بہادر یار جنگ نے فرمایا۔

مجھ سے کہا نہیں بلکہ کہلوایا جا رہا ہے کہ میں (محمد بہادر خاں) بحیثیت جاگیردار معاش دار سیاسی تنظیم میں حصہ نہ لوں خواہ وہ اندرون ملک ہو یا بیرون ملک، مجھ سے بڑھ کر خود غرض ملت فروش کون ہوگا اگر ایسے وقت میں جبکہ ملت اسلامیہ کی کشتی بیچ منجدھار میں تھپیڑے کھا رہی ہو میں اس کے کھیو

کسی اور بھائی کے ہاتھ میں تھما کر الگ ہو جاؤں مجھے دھمکایا جارہا ہے کہ میری جاگیر اور خطابات چھین لے جائیں گے مجھے ڈرایا جارہا ہے کہ مجھے شہر بدر کر دیا جائیگا۔ جہاں تک کہ جاگیرات کا تعلق ہے میں بتلادینا چاہتا ہوں کہ نہ جان میری اور نہ مال میرا سب اللہ کا ہے "اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن" رہا خطاب کا سوال جب میں پیدا ہوا تھا تو میری ماں اور باپ نے میرا نام محمد بہادر خاں رکھا اور آپ کی عنایت سے اٹھارہ سال سے "نواب بہادر یار جنگ" کے خطاب سے پکارا جارہا ہوں محمد کی وابستگی سے محروم کر دیا گیا ہوں بڑا ہی اچھا ہوا کہ وہ محبوب اور متبرک نام ہمیشہ میرے ساتھ ہے لہٰذا اس کا مجھے ملال کیوں ہو۔ میری جائیداد کی ضبطی کا جہاں تک تعلق ہے اس سلسلے میں میری عرض ہے کہ اچھا ہوا کہ دیوانہ کو یہ محبت دوار خواص کی فکر سے آزاد ہو رہا ہے۔ شہر بدر کی دھمکی کا جہاں تک تعلق ہے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ملکِ خدا تنگ نیست۔ پائے مرا لنگ نیست۔ دھمکیوں کے ساتھ تحریص سے بھی کام لیا جارہا ہے مجھے اپنی مشن (مقصد) سے باز رکھنے کے لئے "وزارت" کا لالچ دیا جارہا ہے اس سلسلے میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں کرسی وزارت پر بیٹھ کر مہمات سلطنت پر غور کرنے کے لئے نہیں پیدا کیا گیا ہوں اقبال کے الفاظ میں شاہین زادہ ہوں میرا مقام صرف دامانِ کوہ وسعتِ صحرا ہے۔ میں وہ مزدور ہوں جو راستہ صاف کرتا ہے تاکہ ملتِ اسلامیہ کی گاڑی منزلِ مقصود تک پہنچ جائے میرے لئے یہی فخر کافی ہے کہ وابستہ دامانِ محمد ہوں تخویف و تحریص سے مجھے متاثر و متوجہ کرنے کی سعی کرنے والوں سے میں آخر میں صرف اس قدر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ؎

بیا جاناں تماشا کن کہ در انبوہ جانبازاں | بصد سامان رسوائی سر بازار می رقصم !
میری تمنا تو اقبالؒ کے شعر میں ہے | وزارت جاگیر خطاب میری منزل مقصود نہیں ہیں

در دشتِ جنونِ من جبریلؑ زبوں صیدے
یزداں بکمند آور اے ہمت مردانہ

۲۵ جون ۱۹۴۴ء پاکستان بننے سے ۳ سال قبل نواب بہادر یار جنگ مالک حقیقی سے جا ملے اور ۳۹ سال کی عمر میں شہادت کے درجہ پر فائز ہوئے۔ اس کی اطلاع شہر میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ بلدہ حیدرآباد مکمل طور پر سوگوار تھا۔ تمام مدارس اور دفاتر سرکاری شہر کی سب دکانیں اور کاروبار بند تھا شہر کے در و دیوار سے آہ و فغاں کی کربناک آوازیں آرہی تھیں۔ رعایا کا ہر فرد بلا لحاظ مذہب و ملت زار و قطار رو رہا تھا اور نواب صاحب کی جدائی میں آنسو بہا رہا تھا جنازہ کے ساتھ لاکھوں سوگواروں کا ہجوم تھا کلمہ شہادت پڑھتے تھے اور جنازہ کو کاندھا دیتے تھے۔ بلدہ میں یہ منظر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شہر اور ریاست حیدرآباد کا بے تاج بادشاہ دنیا سے کوچ کر گیا۔ آخر کار اس شہید مومن کے جسد مبارک کو خطیرہ شاہ قاسم مجتہد گر وہ مہدویہ کے قبرستان واقع مشیرآباد میں سپرد خاک کیا گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں انھوں نے مسلمانوں کی بے لوث حقیقی خدمت کر کے رتبۂ اعلیٰ حاصل کیا جو ہمیشہ یادگار رہیگا۔ انھوں نے مسلمانانِ ہند کے لئے سچ مچ اپنی جاگیر منصب دولت غرض سب کچھ قوم پر قربان کر دیا۔ یہاں تک کہ اپنی جانِ عزیز کو ملت اسلامیہ مسلم لیگ اور پاکستان پر نثار کر دیا۔

تذکرہ پاکستان کے عظیم مبلغ

نواب بہادر یار جنگ

از پروفیسر محمد خلیل اللہ پرنسپل وفاقی گورنمنٹ

اردو کالج

شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کراچی

خبرنامہ
صادق دوست اکادمی
ڈیرہ نواب صاحب - بہاول پور

۲۷ر جون ۱۹۸۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برسی بہادر یار جنگ

۲۵ر جون ۱۹۸۰ء کو نواب بہادر یار جنگ کی برسی تھی۔ اس موقع پر جو بینا یار تقریبات
مؤثر ہوئیں۔ اُن کے اقتباسات ہدیۂ قارئین ہیں۔

کیا پوچھتے ہو کیسے کھو دیا

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

عالم اسلام جس کے لئے رو رہا ہو۔ دکن رو رہا ہو۔ اس کا وطن رو رہا ہے۔ سی پی میں [illegible]
کے ماتم کی صف بچھائی گئی اور یو پی میں جس پر آنسو بہائے گئے۔ اُف جس کے لئے مدراس
چیخ رہا ہے۔ بمبئی والے دھاڑیں مار رہے ہیں۔ بہار کے باشندے کہنے چاہئے ہیں۔ [illegible]
میں جس کا نوحہ ہے۔ پنجاب میں غم کا طوفان جس کے لئے اٹھا۔ اور کشمیر اور ہندوستان
آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہوا۔

کیا پوچھتے ہو کہ اسے کو کھو کر ہم جیسے بے بس انسان نے کیا کھو دیا
انا للہ وانا الیہ راجعون

لیفٹیننٹ جنرل ایس ایم عباسی بالقابہ
گورنر سندھ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیغام

نواب بہادر یار جنگ اسلام کے ایک سچے سپاہی تھے۔ انہوں نے اپنی ساری زندگی اسلام کی خدمت اور حصول پاکستان کی جدوجہد میں گزاری۔ وہ ایک جادو بیان مقرر اور قائد اعظم کے چند معتمد ترین رفقاء میں سے ایک تھے انہوں نے اپنا خطاب اپنی جاگیر اور اپنا منصب کچھ ملت اسلامیہ پر قربان کر دیا تھا۔ بہادر یار جنگ اکیڈمی ان کی یاد تازہ رکھنے کے لیے جو خدمات انجام دے رہی ہے۔ وہ یقیناً قابل ستائش ہیں۔ خدا کرے ہمارے ملک میں بہادر یار جنگ جیسے صاحب ایمان و ایقان پیدا ہوں

میں آج آپ سب کے ساتھ مل کر ان کی روح کو خراج عقیدت پیش کرتا ہوں۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

(دستخط اردو)

صادق الرشید محمود عباسی
لیفٹیننٹ جنرل ایس ایم عباسی
گورنر سندھ

قائد اعظمؒ کا پیغام

نواب بہادر یار جنگ کی وفات پر

نواب بہادر یار جنگ میرے عزیز دوست تھے۔ اور ان کی موت میرے لئے ایک جانگداز صدمہ ہے۔ نواب مرحوم مومن صادق تھے اور اسلام کے بہت بڑے داعی، انہوں نے اسلام اور مسلمانان ہند کی زریں خدمات انجام دیں۔ تاریخ ان کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی .... وہ ہمارے لئے قدرت کا بیش بہا عطیہ تھے۔

پیغام

برائے یوم بہادر یار جنگ

زیر اہتمام

پاکستان سوشل ایسوسی ایشن بہاولپور

مکرمی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ پاکستان سوشل ایسوسی ایشن نے یوم بہادر یار جنگ منانے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ قابل تحسین اقدام ہے اس طرح اہل بہاولپور اس محسن ملت کو خراج عقیدت پیش کر سکیں گے۔ جنہوں نے جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں کے دلوں میں برطانوی استعمار سے نجات حاصل کرنے کیلئے جذبۂ عمل کی آبیاری کی۔

محترم بہادر یار جنگ (مرحوم) اگر چاہتے تو برطانوی دور کے اکثر ضمیر فروش مقامی جاگیرداروں کی مانند انگریزوں سے زیادہ سے زیادہ مراعات حاصل کر کے آرام کی زندگی بسر کر سکتے تھے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ انہوں نے اپنی زیرکی فعال قیادت سے فکر و عمل کی وہ شمع روشن کی جس نے آزادی کے پروانوں کو منزل مقصود تک پہنچنے میں مدد دی۔

میں دعا کرتا ہوں کہ آپکی تقریب کامیاب ہو اور اس کے ذریعہ آپ آجکی نوجوان نسل میں وہ فکر و عمل پیدا کر سکیں جسکی تابندہ مثال نواب بہادر یار جنگ کی زندگی تھی۔ وہ ایک صاحب کردار و بلند ارادہ باعمل شخصیت تھے ہمیں ایک مطمئن اور اسلامی معاشرے کے قیام کے مشن میں آج بھی ایسی شخصیتوں کی ضرورت ہے

مخلص

صادق گڑھ پیلس ۱۸ جون ۱۹۸۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیغام

برائے یوم بہادر یار جنگ زیر اہتمام صادق ڈیویلپمنٹ اکادمی ملحقہ پاکستان سوشل ایسوسی ایشن

میرے لئے یہ باعث خوشی ہے کہ آپ نے اس علاقے میں اسلام کے ایک عظیم سپاہی نبی کریم کے شیدائی اور تحریک پاکستان کے مجاہد کی یاد منانے کا مستحسن طریقے اہتمام کیا ہے۔ اس علاقے میں مسلمان قوم کے اس سپوت کی یاد منانا ہمارا اور آپکا ایک فطری جذبہ بھی ہے، کیونکہ بانی پاکستان کے حکم پر اس عظیم نوجوان نے جن مسلم ریاستوں کا دورہ کیا۔ اور مسلم حکمرانوں سے مل کر معاونت حاصل کی۔ ان میں آپکی سرزمین بھی شامل ہے موصوف بہادر یار جنگ کو ایک مقبول مبلغ کی حیثیت بھی حاصل ہے۔ کیونکہ انہوں نے ہزاروں غیر مسلموں کو مشرف بہ اسلام بھی کیا تھا۔ وہ ایک مرد مومن اور عظیم سماجی کارکن و ایفا امر ہے جنہوں نے اپنی جائداد اور اپنی جان تک قوم و ملت کی نذر کر دی۔ وہ یقیناً نہ صرف ہماری قوم کیلئے قابل ستائش ہیں بلکہ ان کو اللہ اور اللہ کے رسول کی خوشنودی اور جنت الفردوس میں جگہ نصیب ہے۔ آئیے ہم سب مل کر آج کے دن یہ عہد کریں۔ کہ ہماری نوجوان قوم انکے اقوال و افعال پر چلکر بغرض ملت کی خدمت کرتے رہیں گے اور ملی تنظیم کے ساتھ وطن عزیز پاکستان کی ترقی اور عوام کی بھلائی کیلئے بے لوث کام کرینگے۔ الحاج نواب محمد عباس خان عباسی

امیر آف بہاولپور

افتتاحیہ

تحریر ندیم نظامی

۲۴ مئی ۔ ۰۰ء کو سوشل سنٹر عقب عیدگاہ ڈیرہ نواب صاحب میں سماجی کارکنوں کو بسلسلہ برسی خلد آشیان سرجنرل الحاج ڈاکٹر صادق محمد خان خامس عباسی امیر آف بہاولپور شاندار اجتماع میں طے پایا کہ ریاست و پاکستان کی خدمت تا، بانی ریاست کی اشاعت نوجوانوں کی بہبود کیلئے ایک دینی وسماجی ادارہ صادق دوست اکادمی کے نام سے قائم کیا جائے جس کے بانی ممبران میں مندرجہ ذیل احباب شامل ہوئے۔

بانی ممبران صادق دوست اکادمی

۱۔ احمد بخش ایاز سابق ڈویژنل آفیسر ۲۔ مخدوم حاجی سید سعید علی شاہ بخاری ۳۔ حاجی اللہ بچایا کونسلر بلدیہ
۴۔ سردار اللہ دتہ خان حیدری مخلص ستارہ سماج ۵۔ عبدالمجید جمشید ۶۔ محمد رمضان خان لکانی ۷۔ محمد عباس لکانی ۸۔ خالد محمود لکانی
۹۔ نور حسین عوری ۱۰۔ مشتاق احمد ساجد ۱۱۔ شیخ شہزاد علی شاہین ۱۲۔ ڈاکٹر عبدالحمید خان لنگاہ ۱۳۔ چوہدری محمد رفیق
۱۴۔ غلام سرور رجانہ ۱۵۔ محمد رمضان خان ۱۶۔ چوہدری محمد یونس نمبردار ۱۷۔ حافظ روشن دین چوہدری ۱۸۔ غلام رسول خان الیراہیم
۱۹۔ کپتان حاجی سید ابو عبداللہ شوکت ۲۰۔ مصطفیٰ اکرم ہاشمی افسر مال ۲۱۔ فضل احمد خان ۲۲۔ کپتان صاحبزادہ میاں محمد انور علی عباسی
۲۳۔ منشی علی محمد آفس قانونگو ۲۴۔ لیفٹیننٹ (پنشنر) محمد ایاز خان ۲۵۔ حاجی محمد امین خان خاکوانی ۲۶۔ حاجی سید عالم علی شاہ بخاری سبزپوش
۲۷۔ مخدوم حاجی سید سعادت علی شاہ بخاری ۲۸۔ سید قاسم علی شاہ ایڈووکیٹ ۲۹۔ شہزادہ واثق باللہ عباسی ۳۰۔ مجاہد علی بابا بہاری
۳۱۔ رئیس احمد بہاری ۳۲۔ شمس الاطباء حکیم محمد حسین بدر ستارہ سماج ۳۳۔ بشیر احمد راہی ۳۴۔ الطاف حسین چوہدری سالار
۳۵۔ سید غلام مجتبیٰ شاہ ۳۶۔ لالہ میر لال بیبل ممبر ڈسٹرکٹ کونسل ۳۷۔ لالہ بھگو رام چک نمبر ۹ ۳۸۔ [illegible] چک نمبر ۴۴
۳۹۔ لالہ بھیکا رام ۴۰۔ بھگت جی چک نمبر ۱۰۰ ۴۱۔ احسان احمد سحر ۴۲۔ گلزار احمد خان غوری ۴۳۔ حافظ احمد بخش ندیم
۴۴۔ ایم نواز احمد کھوکھر ۴۵۔ محمد بشیر احمد چشتی نظامی ۴۶۔ حاجی محمد اسماعیل ہاشمی ۴۷۔ محمد افضل خان حبیب ویڈیو
۴۸۔ بیگم تاج بشیر ۴۹۔ عبدالرشید خان ۵۰۔ بیگم شمشاد نظامی ۵۱۔ بیگم محمد افضل خان ۵۲۔ بیگم پروین بخاری

نیز اسی اجلاس میں طے پایا کہ ممبر سازی کی مہم کی تکمیل کے لئے ایک انتظامیہ کمیٹی تشکیل دی جائے۔ جبکہ عہدیداران بالاتفاق رائے حسب ذیل منتخب کئے گئے۔ ممبر سازی کی مہم ۳۱ جولائی ۰۰ء تک جاری رہے گی اسکے بعد باقاعدہ انتخابات کرائے جائیں۔

عہدیداران ایڈہاک کمیٹی برائے ممبر سازی

صدر۔ چوہدری محمد رفیق ۔ نائب صدر۔ مخدوم حاجی سید سعید علی شاہ بخاری۔ حاجی سید عالم علی شاہ بخاری سبز پوش شمس الاطباء حکیم محمد حسین بدر ستارہ سماج۔ جنرل سیکرٹری۔ لیفٹیننٹ (پنشنر) محمد ایاز خان - ندیم نظامی۔

اسسٹنٹ سیکرٹری - ایم نور احمد کھوکھر - آفس سیکرٹری - عبدالمجید جمشید - فنانس سیکرٹری - احمد خان : ایاز
پبلسٹی سیکرٹری - احسان احمد سحر   افسرانِ تقریبات
سردار اللہ دتہ خان حیدری - ڈاکٹر میاں عبدالمجید لنگاہ - الطاف حسین چوہدری

ممبرانِ مجلس انتظامیہ

چوہدری محمد اشرف - محمد رمضان خان جوئیہ - حافظ رشید دین چوہدری - صوفی اللہ بخش ازمانی چشتی - حکیم ملک نذیر احمد کمبوہ - عبدالرشید خان - عبدالمنان کمبوہ - منور تنویر - حافظ عبدالحمید صدیقی - ٹھیکیدار فیض محمد - حاجی پیر بخش خان - محمد رمضان خان بلوچ صاحب نمائندہ آطلیعت - مہر لال جمیل ممبر ڈسٹرکٹ کونسل بہاولپور

دوسرے اجلاس میں اکادمی کا دستور پاس کیا گیا۔ اور فیصلہ ہوا کہ اکادمی کا الحاق پاکستان سوشل ایسوسی ایشن رجسٹرڈ راولپنڈی بہادر یار جنگ اکادمی کراچی سے کیا جائے۔ نیز حکومت سے باقاعدہ رجسٹرڈ کرایا جائے جس کے لئے کاغذات مکمل کر کے سوشل ویلفیئر آفیسر احمد پور شرقیہ کو پیش کر دیئے گئے۔

خبرنامہ کی اشاعت :- یہ بھی طے پایا کہ اکادمی باقاعدگی سے خبرنامہ شائع کیا کرے۔ جس میں دینی سماجی تعلیمی - ادبی - سپورٹس و ثقافتی اداروں کی خبریں کارگزاریاں مفصل باتصویر شائع کی جائیں - پہلا خبرنامہ ۱۵ جون کو سائیکلوسٹائل کرا کر تقسیم کیا گیا - اس کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ اسکو طبع کرایا جائے - آج ۱۵ جون کو دوسرا شمارہ تقسیم کیا جا رہا ہے۔ خبرنامہ کی الگ کوئی اجرت نہیں لی جاتی - مگر یہ آئندہ باتصویر ہو گا - یہ صرف ممبران کو مفت ارسال کیا جائے گا۔ دیگر اصحاب و اداروں سے لاگت وصول کی جائے گی - ہم تمام فعال اداروں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنی خبریں کارگزاریاں اور مضامین مع تصاویر اشاعت بھیجے - دارز کرتے رہیں - جو بلا اجرت شائع کئے جائیں گے - صرف فوٹوؤں کی بلاک یا پازیٹو و پرنٹنگ کی لاگت لی جائے گی۔

ندیم نظامت

خبرنامہ صادق دوست کی مُفت تقسیم

جو تعلیمی ادبی دینی سماجی و سپورٹس کے ادارے اپنی کارگزاریاں اور خبریں باتصویر مضامین کے ہمراہ باقاعدگی سے بھیجنے کا وعدہ کریں گے۔ ان کو خبرنامہ صادق دوست سال بھر مفت بھجوایا جاتا رہے گا۔ مضمون نگار حضرات اور نامہ نگاروں و نمائندگان خبرنامہ "صادق دوست" کو بھی خبرنامہ مفت ارسال کیا جائے گا
پاکستان کے ہر شہر میں نمائندوں اور خبر نگاروں کی ضرورت ہے جوابی لفافہ بھیجکر تفاصیل پتہ ذیل سے حاصل کریں۔
ایاز ندیم نظامی - مرتب خبرنامہ "صادق دوست" اکادمی عقب عیدگاہ ، ڈیرہ نواب صاحب (بہاولپور)

بہادر یار جنگ نے کہا:۔

ممتاز بڑے طبقہ کے لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ اے نصیب یار جنگ (تمہارے باپ) کے گھر میں تو ہمیشہ گانا بجانا ہوا کرتا تھا۔ آج یہ بہادر خاں کو کیا سوجھی ہے کہ جو قرآن پڑھانے بیٹھا ہے۔ تو میں جواب دیتا ہوں۔ "اے میاں جتنا تم لوگوں (عوام میں سمایا ہیں) کے ہاں قرآن خوانی ہوتی تھی۔ ہمارے ہاں گانا ہوا کرتا تھا اب تم لوگ گانے بجانے لگے ہو تو میں قرآن لے کے بیٹھا ہوں

بادہ تعلیم مغرب ہے جو ہو گئے ہو خراب
بچا تمہیں ہوشیار کر سکتی نہیں ام الکتاب

حفیظ جالندھری

خدمت خلق کی تلقین

بہادر یار جنگ لکھتے ہیں اللہ مجرموں کی چار دیواری ہی کے اندر نہیں آفاق کے ذرے ذرے میں بیکسوں کی آہ و بکا میں بے بسوں کے نالہ و شیون ہیں۔ مظلوموں کی کراہیں داد خواہوں کی تڑپ ہیں۔ اسکے راستے میں ذلت اور رسوائیاں ہی ملے گا۔ باہر نکلو اور دیکھو کہ اشرف المخلوقات انسان حامل بار امانت انسان خلیفۃ اللہ انسان کسطرح ذلیل و خوار ہو رہا ہے۔ اسکی سر بلندی کا سامان کرو کہ یہی اصل عبادت اور اصل دین ہے۔ میری نہیں سنتے تو سعدی کی سنو سے

طریقت بجز خدمت خلق نیست - بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

ذرا انکا اچھا لکھے اپنی صحبت میں لیا ستارگے کہ انکا کائنات کے چھوٹے سے چھوٹے ذرے کا بے قراری ہیں تڑپا دے اور گوشہ عزلت سے باہر کھینچ لائے۔

بہادر یار جنگ کا نوجوانوں سے امید اور ان پر اعتماد

نوجوانوں کی پاکستان کانفرنس کے کارکنوں کو ایک خط میں لسان العصر قائد ملت بہادر یار جنگؒ نے فرمایا تمہارے عزم کا دوسرا نام پاکستان ہے مجھے اپنی قوم کے نوجوانوں پر اس درجہ اعتماد ہے کہ وہ پاکستان کے سورج کو فرنگی استعمار اور ہندو سرمایہ داری کے تاریک آسمان سے چھین کر اپنی ملت کے افق پر سجا دیں گے۔ اور یوں اسلام کو ایک خدا داد ارض نصیب ہو جائیگا۔ جس کو دیکھ کر بصیرت رکھنے والی آنکھیں پکار اٹھیں گی کہ زمین اپنے پیدا کرنیوالے کے نور سے روشن ہو گئی ہے۔

پہلا یوم اقبالؒ

انہوں نے (نواب بہادر یار جنگ) نے علامہ اقبالؒ کی زندگی ہی میں حیدر آباد میں یوم اقبال منایا گیا۔ اور اس طرح قدر دانی کی ایک بڑی اچھی مثال قائم کی۔

ہمارے ملک میں مرنے والوں کو تو سب یاد کرتے ہیں۔ لیکن زندگی میں قدر کرنے والے بہت کم ہوتے ہیں۔ انہیں نے خوب کہا ہے

زندگی میں تو نہ اک دن خوش کیا ہنس بول کر
آج کیوں روتے ہیں میرے آشنا میرے لئے

سید ہاشم رضا

کی تقریر کا اقتباس

★

۷

ہندوستان کے دوسرا محمد علی جوہر
اگر کہیں پیدا ہو سکتا تھا۔ وہی
اخلاص وہی دینی جوش۔ وہی تڑپ
وہی سوز جو اپنی خصوصیت تھی۔ وہی
ہمت و عزم ...... محمد بہادر
خاں قدس سرہٗ ہی تھے اور مسلم
لیگ میں اس قدر سرگرم عمل رہتے تھے؟
پر [illegible] شہید کیا ہوا خود اپنی سے
[illegible] خلد ہو۔
میں مسلم لیگ کے ساتھ
اس لیے ہیں کہ جبر شوری
طور پر اس کو قائد اس منزل
کی طرف جا رہا ہے اس
مقصد کو مقصد حیات سمجھنے
والوں کا ایک بڑا گروہ ملک
میں پیدا ہو گیا ہے جو میری
منزل ہے۔ یعنی مسلمان
کو منفرد اور جماعت [illegible]
[illegible] نبی الامی البرکت
(صلی اللہ علیہ وسلم) پر دیکھے
(مولانا عبدالماجد دریابادی)

قائد اعظم کو مخاطب کرتے ہوئے
بہادر یار جنگ نے کراچی
کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے کہا
"قائد اعظم! وہ دن میرے
لئے عید کا دن ہوگا۔ جب ملت
کی [illegible] میں یہ اپنی گرہ
آخری پائی۔ اور اپنے فرض کا
آخری قطرہ پیش کر کے فخر و ناز
محسوس کرے گا۔ جہاں اپنی سے

پاکستان نیشنل سنٹر میں تقریر کرتے
ہوئے فرمایا (بہادر یار جنگ) انہوں
نے خاک میں اپنے آپ کو جذب
کر دیا۔ اور نئے شہود پر آنے والی
نئی مملکت پاکستان کے استحکام
و استقرار کی ضمانت دے گئے۔

★

پاکستان زندہ باد

ابراہیم جلیس

دنیا کا سب سے بڑا اسلامی ملک پاکستان
اگرچہ صرف ایک ہی رات میں وجود میں آیا۔
تاہم جب کبھی ہم ماضی کے دھندلکوں
میں جھانکتے ہیں۔ تو ہمیں مسلمانوں کے اس
سب سے بڑے اور عظیم الشان وطن کے
نقش ہائے رنگ برسوں دور سے نظر آتے چلے
جاتے ہیں۔

ٹیپو کا [illegible] سرنگا پٹم ...... پاکستان
سراج الدولہ کا میدان پلاسی ...... پاکستان
بہادر شاہ ظفر کا زندان ...... پاکستان
سر سید کی درسگاہ علی گڑھ ...... پاکستان
حالی کا مسدس ...... پاکستان
محمد علی جوہر کا تدبر ...... پاکستان
اقبال کا خواب ...... پاکستان
اور بہادر یار جنگ کی آواز کا نغمہ ...... پاکستان

قائد اعظم نے فرمایا بہادر یار جنگ کے بعد کسی کا برتا
(یعنی تقریر کرنا) غلطی ہے۔ خواجہ حسن الدین نے کہا تھا
جب بہادر یار جنگ کی آواز فضا میں بلند ہوتی تو ایسا
محسوس ہوتا تھا۔ جیسے ہندوستان کے مسلمانوں پر
[illegible] ہو رہی ہیں۔
[illegible]

آئندہ خبرنامہ کی جھلکیاں

۱۔ حضرت ابوذر غفاری رضی
مولانا سید مناظر احسن گیلانی
۲۔ حضرت خواجہ غلام فرید رح
سید مسعود الحسن شہاب دہلوی
۳۔ بیگم خان لیاقت علی خان
سے جنگی قیدی کی ملاقات
[illegible] کراچی
۴۔ [illegible]
[illegible]
۵۔ نواب بہادر یار جنگ
سید ہاشم رضا (سابق کمشنر)
۶۔ مہاجر ادارے کی
کارگزاری
۱۔ انجمن بہبودی خواتین
بہاول پور
۲۔ بیت الفلاح [illegible]
۳۔ [illegible] کی
سرگرمیاں
۴۔ پاکستان سوشل [illegible]
ایسوسی ایشن
۵۔ آل پاکستان ایجوکیشن
[illegible]
ایسوسی ایشن [illegible]
رحیم یار خان
۶۔ پاکستان [illegible]
ایسوسی ایشن بہاول پور
وغیرہ

▲

یوم بہادر یار جنگ

از احمد بخش ایاز ریٹائرڈ ایس ڈی او

قمر زین العابدین تھا آج خوش ہے انگ انگ
ہو گئے جو ہمارے شہر احمد پور کا
نیک مقصد ہے ہمارا دیکھ لینا عنقریب
قائداعظم کے ساتھی بلکہ ان کے دستِ راست
وقف کر دی تھی زندگی قائد کے مقصد کے لیے
آپ کے نعروں نے بنیادیں ہلا دیں کفر کی
آپ کی شعلہ بیانی سے ہوا ٹھنڈے پڑ گئے
برہمن کو دہلی میں تھے تو شام کو لاہور میں
صوبہ سرحد میں گاندھی کا نہ چرخا چل سکا
قائداعظم کی انگلش اور اردو آپ کی
تقریر جو آپ لوگوں نے دیا محفوظ ہے
مذہبِ اسلام ہی امن و سکون کا دین ہے
شورشیں ہر سمت ہیں پھیلی ان سے آسام تک

ہم مناتے ہیں یہاں یوم بہادر یار جنگ
دن بہادر کا منا کر کرو یاد دنیا کو دنگ
پیروی اپنی کریں گے کو نہ ٹلتا وہ جنگ
رنج و راحت میں رہے تھے ان کے انگ سنگ
آپ عہدے چھوڑ کر دکن سے تھے بے درنگ
جس سے مسلم لیگ میں پیدا ہوئی تازہ امنگ
گورکھے ہوں مرہٹے ہوں وہ اکالی یا فرنگ
کانگریس کو کر دیا تھا آپ نے مبہوت و دنگ
سرحدی گاندھی نے دیکھا جب نشانِ سبز رنگ
دونوں سے مسحور تھے اہلِ وطن اہلِ فرہنگ
چونکہ پاکستان اور اسلام کا ہے ایک سنگ
یہ نہ ہتھیاروں کا حامی ہو سکتا ہے نہ جنگ
ہم بجاتے ہیں یہاں امن و سکوں کی جل ترنگ

کون کہتا ہے کہ احمد بخش تھا شاعر کبھی
یہ تو شاعر ہے مگر ہوتی ہے اس میں کیا امنگ